سُبْحانَ منْ لَم يُوْصلْ اِلیٰ اَوْلیاءِہِ اِلّا مَنْ اَرادَ اَن یُوْصِلَہ اِلیْہ (الحکم العطائیۃ)

کاروانِ جنّت کی رفاقت

مؤلف

سعید احمد مجادری قاسمی

ناشر

ادارۃ الصدیق ڈابھیل

تفصیلات

نام کتاب:..........................کاروان جنت کی رفاقت

مرتب:..........................مفتی سعید احمد مجادری قاسمی

صفحات: ۹۶

ناشر:..........................ادارۃ الصدیق ڈابھیل

۹۹۰۴۸۸۶۱۸۸ / ۹۹۱۳۳۱۹۱۹۰

ملنے کے پتے

ادارۃ الصدیق دیوبند، 99979 53255

مفتی سعید احمد ابن مولانا رحمۃ اللہ مجادر، پالن پور، گجرات 9998495335

مکتبۃ الاتحاد، دیوبند، 9897296985

مکتبہ ابوہریرہ کھروڈ، گجرات، 9925652499

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۞	تقریظ حضرت مفتی آدم صاحب	۶
	باب اول: تزکیہ	
۱	مقاصد نبوت	۷
۲	فرائض کی ادائیگی	۹
۳	امت مسلمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشین	۱۰
۴	جامعیت	۱۰
۵	تقسیم فرائض	۱۱
۶	معاشرہ کا فرض	۱۲
۷	معاشرہ کی ایک ضرورت	۱۳
۸	مستقل مقصد نبوت	۱۴
۹	مقاصد میں اہم مقصود	۱۶
۱۰	تزکیہ کی حقیقت	۱۷
۱۱	فرض عین	۱۸
۱۲	تزکیہ کے بغیر کمال نہیں	۲۰
۱۳	فضائل	۲۱
۱۴	طریقۂ تحصیل	۲۲
	باب دوم: صحبت کی اہمیت وضرورت	
۱۵	تاثیر صحبت مسلمہ حقیقت ہے	۲۵
۱۶	صحیح استعمال	۲۶
۱۷	صحبت بذات خود مؤثر ہے	۲۷

۱۸	جم غفیر کی شہادت	۲۹
۱۹	مؤثر ترین حالت	۳۰
۲۰	اعلیٰ واقویٰ طریق	۳۰
۲۱	آسان راستہ	۳۱
۲۲	پاکیزہ اخلاق کا منبع	۳۳
۲۳	ایمانی کیفیات کا سرچشمہ	۳۳
۲۴	قسمت وقبولیت کی نشانی	۳۴
۲۵	بہت بڑی نعمت	۳۵
۲۶	ایمان کی سلامتی کا ذریعہ	۳۶
۲۷	مقدمۃُ الواجب واجبٌ	۳۶
۲۸	اصلاح کا ایک ہی طریقہ	۳۸
۲۹	یہی ایک آئینہ ہے	۳۹
۳۰	نفلی عبادتوں سے افضل ہے	۴۰
۳۱	نورِ نبوت کا پتہ	۴۱
۳۲	دوائے دل	۴۲
۳۳	فیض صحبت کی مثال	۴۳
۳۴	اقوال سلف	۴۳
۳۵	حضرت شیخ کا مضمون	۴۵
۳۶	فوائد صحبت از معارف مثنوی	۴۸
۳۷	پیری مریدی کی حقیقت	۵۱
۳۸	صحابہؓ نے صحبت ہی سے سب کچھ پایا	۵۲
۳۹	یہی فیض صحبت منتقل ہوتا رہا	۵۳
۴۰	سلف صالحین کا معمول	۵۴

۴۱	فلاح دونوں کی یکجائی میں ہے	۶۰
۴۲	زمانہ پراثر اور قبول عام	۶۲
۴۳	ہندوستان پر مشائخ کرام کا اثر	۶۴
۴۴	صرف کتابی تعلیم ناکافی ہے	۶۶
۴۵	علم کی حد سے پرے	۷۱
۴۶	علمی مشغلہ پر اکتفا کرنا	۷۲
۴۷	علم سے زیادہ صحبت کا اہتمام	۷۴
۴۸	مشاغل کو موقوف کرنا	۷۴
۴۹	مدارس کے باوجود خانقاہوں کی ضرورت	۷۸
۵۰	دعوت وتبلیغ بھی خانقاہوں کا بدل نہیں	۸۱
	باب سوم: ضروری ہدایات	
۵۱	صحبت کے لائق کون؟	۸۵
۵۲	توحید مطلب	۸۵
۵۳	کامل سپردگی	۸۶
۵۴	شیخ سے استفادہ بیان پر موقوف نہیں	۸۷
۵۵	بدظنی سے پرہیز کریں	۸۸
۵۶	عام استفادہ	۸۹
۵۷	بچپن سے اہتمام	۹۰
۵۸	اس ضرورت کا احساس پیدا کرلیں	۹۱
۵۹	حضرت شیخ کا خواب	۹۳
۶۰	آخری گذارش	۹۴
۶۱	کتاب کا خلاصہ	۹۵

تقریظ

پیرطریقت رہبرشریعت حضرت مفتی آدم صاحب بھیلونی دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ نذیریہ کاکوسی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله واصحابه اجمعين، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

امابعد! آج کل عام طور پر ظاہری اعمال کو کافی سمجھا جاتا ہے، اور باطنی اعمال (یعنی اعمال قلب) کو خاص اہمیت نہیں دی جاتی ہے، حالانکہ قرآن وحدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظاہری اعمال کی قبولیت باطنی اعمال کی درستگی کے بغیر نہیں ہوتی، اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری شریف کے شروع میں ''انما الاعمال بالنیات الخ'' لائے ہیں، اور قرآن شریف میں تزکیہ (یعنی دل کی اصلاح کروانا) کو فلاح کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

اس لیے تزکیہ کی اہمیت قرآن وحدیث اور اکابر مشائخ کے ملفوظات کے ذریعہ امت کے سامنے لانے کی اشد ضرورت تھی، پھر دل کی اصلاح کا طریقہ جو صحبت اہل اللہ میں منحصر ہے اس کو بھی اکابر مشائخ کے ملفوظات سے ثابت کرنے کی ضرورت تھی، پھر صحبت کے لائق کون ہوتا ہے، اور اس سے کیسا دلی تعلق ہونا چاہئے، تاکہ دل میں تعلق مع اللہ سما جاوے، ان سب باتوں کو اس کتاب ''کاروان جنت کی رفاقت'' میں ایسے دل نشیں انداز میں بیان کیا ہے کہ اس کو پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس کو نافع بناوے، آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بابِ اول: تزکیہ

مقاصد نبوت

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہبری کے لیے اور ان کو کمال عبدیت تک پہنچانے، اور دائمی کامیابی سے سرخرو کرنے کے لیے رسالت و نبوت کا سلسلہ جاری فرمایا، اور اس کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کا انتخاب فرما کر ان کو رسالت و نبوت کے عظیم منصب سے سرفراز فرمایا، ان عظیم ہستیوں میں ایک نمایاں ہستی سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کا سردار بنا کر رسالت کو ان پر مکمل فرما دیا۔

رسالت ایک بڑی ذمہ داری ہے، جو لوگوں کی ہدایت کے لیے رسولوں پر عائد کی جاتی ہے، اس ذمہ داری میں ہدایت کا سامان ہوتا ہے، وہ فریضہ لوگوں کی ہدایت کے ضروری بھی ہے اور کافی بھی، فریضۂ رسالت کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین فرائض عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(آل عمران:١٦٤)

’’حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے‘‘

اسی مضمون کی قریب قریب ان ہی الفاظ میں دو آیتیں اور بھی ہیں، ان آیتوں میں بیان

کردہ تین فرائض یہ ہیں (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ (۳) تعلیم الکتاب والحکمہ۔

(۱) تلاوت آیات: نبوت کی پہلی ذمہ داری ہے، یعنی قرآن کریم کی آیات لوگوں کو سنانا، تاکہ قرآن کریم کے احکامات ومطالبات لوگوں تک پہنچیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اس کے بنیادی احکام کی طرف دعوت دی ہے، اس میں عقائد کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کو دلائل کے ساتھ کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے، قیامت، حشر ونشر، حساب وکتاب اور جنت وجہنم کی حقانیت اور اس کے احوال مذکور ہیں، اور بہت سے اخلاق حسنہ اور اعمال طیبہ کی طرف دعوت دی گئی ہے، ان مضامین پر مشتمل قرآنی آیتیں جب ان عربی داں لوگوں کے سامنے پڑھی جائیں گی تو قرآن کریم کا پیغام ان تک پہنچ جائے گا، اس طرح تلاوت قرآن کے ذریعہ احکام قرآن کی تبلیغ ہوجائے گی، پس تلاوت آیات کے ذریعہ تبلیغ اسلام کا حکم ہے، ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وتلاوته ما انزل اليه هوالتبليغ (فتح الباری ۱۳/ ۵۰٤ دارالمعرفة بيروت) یعنی آپ ﷺ کا قرآن کریم کی تلاوت کرنا تبلیغ ہی تھا۔

(۲) تعلیم کتاب وحکمت: یہ بھی منصب نبوت کا دوسرا فرض ہے، کتاب یعنی قرآن کریم اور حکمت یعنی سنت رسول اللہ ﷺ کی تعلیم دینا، اور قرآن وسنت کو جاننے والے افراد تیار کرنا۔ اس ذمہ داری کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: انما بعثت معلما (مشکوۃ) یعنی میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

(۳) تزکیہ: اس کا معنی ہوتا ہے پاک کرنا، (اردو میں حاصل مصدر کے طور پر صرف ''پاکی'' کے معنی میں بھی مستعمل ہے) یعنی لوگوں کو منہیات شرعیہ اور مکروہات دینیہ سے پاک کرنا، چاہے ان امور ممنوعہ کا تعلق عقائد سے ہو یا افکار واعمال سے، آدمی کو ہر ظاہری و باطنی گندگی سے پاک کرنے کا نام تزکیہ ہے، تمام ممنوعات شرعیہ سے خلاصی حاصل کرنے کا مفہوم تو

براہ راست اس میں موجود ہے، اوامر کا امتثال بھی اس میں داخل ہے، کیوں کہ ان کا ترک محظور شرعی ہے، یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ تزکیہ تقویٰ کے مترادف ہے، تقویٰ کا معنی پرہیز کرنا، گویا اس کا اصل مفہوم ہے اجتناب نواہی، لیکن نتیجہ کے طور پر امتثال اوامر بھی اس میں شامل ہوگیا ہے، اب جب تقویٰ کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہ مفہوم ذہن میں آتا ہے ''ظاہری اور باطنی طور پر مکمل دین پر عمل کرنا''، اور یہی مفہوم ''تزکیہ'' کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَاَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم) یعنی اپنے آپ کو مقدس مت سمجھا کرو، تقویٰ والوں کو وہی خوب جانتا ہے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''تقویٰ'' اور ''تزکیہ'' ایک ہی ہے، کیوں کہ بات اس طرح ہونی چاہئے کہ ''تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھا کرو، وہ مقدس لوگوں کو خوب جانتا ہے''، اللہ تعالیٰ نے اسلوب بدل کر تقویٰ کا لفظ اس کی جگہ رکھ دیا جس سے یہ واضح ہوا کہ تقویٰ وہی ''تزکیہ'' ہے، پس جس طرح تقویٰ والا (متقی) وہ ہی شخص ہوتا ہے جو تمام گناہوں سے بچنے والا ہو اسی طرح تزکیہ والا بھی وہ ہی ہوگا جو تمام ممنوعات سے رکا ہوا ہو۔

پس لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے، اور ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر دینے پر رسالت کا فریضہ ختم نہیں ہوتا، بلکہ ان کو اسلامی تعلیمات سے مزین کرنے، اور عملی طور پر ان کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی فکر کرنا فرائض میں شامل ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: انّما بُعِثتُ لاتمِّمَ مکارمَ الاخلاقِ (بیہقی) یعنی میں اچھے اخلاق کو مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

فرائض کی ادائیگی

تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان فرائض کو کامل طور پر ادا فرمایا، علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں فرائض کو بحسن وخوبی

انجام دیا، لوگوں کو احکام الٰہی اور آیات ربانی پڑھ کر سنائے، اور ان کو کتاب الٰہی اور حکمت ربانی کی باتیں سکھائیں، اور اسی پر اکتفاء نہ کی، بلکہ اپنی صحبت، فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک و صاف بھی کیا، نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا، اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو دور کر کے اخلاق انسانی کو نکھارا، اور سنوارا، یہ دونوں ظاہری اور باطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے۔ (مقدمہ ''مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت'')

امت مسلمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت مسلمہ پر یہ تینوں فرائض عائد کیے گئے، سید صاحبؒ لکھتے ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کار نبوت کے جو تین فرض عطا ہوئے ہیں تلاوت احکام، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ، یہ تینوں فرض امت مسلمہ پر بھی بطور فرض کفایہ عائد ہیں، چناں چہ قرنا بعد قرن اکابر ائمہ امت نے ان تینوں فریضوں کی ادائیگی میں پوری توجہ اور کوشش مبذول فرمائی، اور انہیں کے مجاہدات کا نور ہے جس سے کاشانۂ اسلام میں روشنی ہے، نبوت کے یہ تینوں فرض اس آیت میں یکجا ہیں۔ (ایضا ۱۲)

جامعیت

ابتداء میں بعثت کے تمام مقاصد کی تکمیل ایک ساتھ ہوا کرتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیک وقت دعوت وتبلیغ، تعلیم قرآن وسنت اور تزکیہ واصلاح نفس کا کام انجام دیتے تھے، اور استفادہ کرنے والے ایک ہی صحبت سے مکمل دینی کمال حاصل کرتے تھے، ان تینوں فرائض کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خوبی سے ادا فرمایا کہ کسی ایک فرض میں بھی جھول نہیں آنے دیا، تبلیغ اسلام کا حق ادا کیا لیکن تعلیم سے غافل نہیں ہوئے، اسلامی تعلیمات کو کھول کھول کر امت کے سامنے

رکھا، اور باریک باریک مسائل سے بھی امت کو آگاہ کیا، اور زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق بہترین ہدایات امت کو دیں، لیکن ان مشاغل کی وجہ سے تزکیہ نفس اور اصلاح وتربیت میں کوتاہی نہیں کی، الغرض ہر ایک شعبہ کا مکمل حق ادا فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے جن حضرات نے بلا واسطہ فیض اٹھایا وہ اس جامعیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث بنے، اور ان سے بعد والوں نے ایک ساتھ تعلیم وتربیت میں کمال حاصل کیا، سید سلیمانؒ فرماتے ہیں:

چناں چہ صحابہ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے تین فرقوں تک یہ دونوں ظاہری وباطنی کام ایک دوسرے کے توام (ملے ہوئے) رہے، جو استاد تھے وہ شیخ تھے، اور جو شیخ تھے وہ استاد تھے، وہ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہم نشینوں کے تزکیہ وتصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے، ان تینوں طبقوں میں استاد اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔ (مقدمہ ''مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت'')

تقسیم فرائض

جیسے جیسے دور نبوی سے دوری ہوتی گئی صلاحیتوں میں تنزلی آتی گئی، اور جامعیت ختم ہوتی گئی، دوسری طرف اسلام کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہوگیا، اور دور دور تک اسلام کی شعاعیں پھیلیں، تو ہر شعبہ مستقل محنت کا متقاضی ہوا، اس لیے ایک فرد سے تمام شعبوں کی ذمہ داریوں کو کامل طور پر ادا کرنا مشکل ہوگیا، اس لیے ذمہ داریاں تقسیم ہوگئیں، کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی (جو کہ احادیث کی شکل میں امت کے پاس موجود تھیں) نشر واشاعت کی ذمہ داری اٹھالی، بعض افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت وتزکیہ کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے بعد والوں کو اخلاق نبوی سے آراستہ کرنے کی محنت میں مشغول ہوگئے۔

رفتہ رفتہ تینوں شعبے بالکل الگ ہوگئے، دعوت وتبلیغ ایک مستقل شعبہ بن گیا، اور اس کے

لیے کچھ افراد خاص ہو گئے، تعلیم دین مستقل ایک شعبہ ہو گیا اور اس کی خدمت کے لیے بعض افراد خاص ہو گئے، اور اس کے لیے مدارس کا قیام عمل میں آیا، جہاں علوم نبوت کے طالبین نے رخ کیا، تزکیہ کا بھی مستقل ایک شعبہ وجود میں آیا، اور کچھ حضرات اس سے وابستہ ہو گئے، اور خانقاہوں کا قیام عمل میں آیا، جہاں اصلاح نفس کے طالبین نے رخ کیا، اس طریقہ سے امت نے ان تینوں ذمہ داریوں کو اخیر تک نبھائے رکھا۔ سید سلیمان صاحب ندویؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک میں دو صفتیں يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (یعنی آپ لوگوں کو کتاب الٰہی اور سنت نبوی کی تعلیم دیتے ہیں) وَيُزَكِّيْهِمْ (یعنی آپ لوگوں عملاً پاک و صاف بنا دیتے ہیں اور ان کے رذائل کو دور کر کے ان کو فضائل سے آراستہ کرتے ہیں) ذات پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ دونوں صفتیں یکجا تھیں، صحابہؓ میں عموماً یہ دونوں صفتیں یکجا رہیں، تابعین میں کچھ کمی رہی، تاہم ان میں بھی کافی یکجائی رہی،، تبع تابعین میں آ کر یہ یکجائی ایک محدود حلقہ میں رہ گئی، اس کے بعد یہ یکجائی صرف اشخاص سے ہونے لگی، ورنہ عام طور پر حال یہ ہو گیا کہ يُعَلِّمُهُم یعنی زبانی تعلیم کی صفت علماء اور فقہاء نے اختیار کر لی، اور يُزَكِّيْهِمْ یعنی تزکیہ کو صوفیہ نے اپنا کام بنالیا، پہلی چیز مدرسے میں چلی گئی، اور دوسری خانقاہوں میں۔ (مکاتیب سلیمان ۱۶۷)

یہ تقسیم صرف سہولت اور خدمت کا حق ادا کرنے کے لیے تھی، ان کی اہمیت وضرورت میں کوئی تقسیم نہیں تھی، سب ایک دوسرے کے کام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، اور موقع بے موقع ایک دوسرے استفادہ بھی کرتے تھے۔

معاشرہ کا فرض

فرائض رسالت کی ادائیگی میں امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نائب ہے، جب افراد سے

اس نیابت کا سنبھالنا، اور جامعیت اور کمال کے ساتھ سارے کام انجام دینا دشوار ہوگیا تو اب یہ صورت باقی رہ گئی کہ سارا معاشرہ مل کر مجموعی طور پر فرائض نبھاتا رہے، پس ایسا جامع معاشرہ تیار کرنا فرض ہے جس میں رسالت کے تمام مقاصد کی تکمیل کا سامان مہیا ہو، نبوت کی ذمہ داریاں مجموعی طور پر پوری کی جارہی ہوں، دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ بھی جاری ہو، اور اصلاح نفس اور تزکیہ کی کوششیں بھی ہورہی ہوں، اور ایک مسلمان کو روحانی اور دینی کمال حاصل کرنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے وہ موجود ہوں، جب کسی بندے کو ان میں سے کسی چیز کی طلب پیدا ہوتو معاشرہ اس کی طلب پوری کرسکے، اور اس میں اس کی پیاس بجھانے کی صلاحیت ہو، یہی کامل اسلامی معاشرہ ہے، جس طرح مادی ضروریات کی تکمیل کا سارا انتظام ایک انسانی معاشرہ کے لیے لازم ہے، اسی طرح روحانی ضروریات کی تکمیل کا سارا انتظام اسلامی معاشرہ کے لیے لازم ہے، جو معاشرہ نبوت کی ذمہ داریوں میں سے کسی ایک ذمہ داری سے بھی غافل یا قاصر رہا، اور نبوت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوسکا، وہ دینی نقطۂ نظر کامل معاشرہ نہیں ہے، کوئی علم دین حاصل کرنا چاہے لیکن اس کا کوئی انتظام نہ ہو، یا کوئی شخص اپنی اصلاح اور نفس کا تزکیہ کرنا چاہے لیکن پورا معاشرہ اس پیاس کو بجھانے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ کرسکے، تو یہ کوتاہی اور قصور اسلامی معاشرے کے لیے ناقابل برداشت ہے، جس کی تلافی کرنا ضروری ہے، ورنہ پوری سوسائٹی گنہگار ہوگی۔

معاشرہ کی ایک ضرورت

اسلامی سوسائٹی کو کامل اور جامع بنانے کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں ان میں ایک تزکیہ نفس کا شعبہ ہے، اگر دعوت وتبلیغ، وعظ وارشاد، تصنیف وتالیف اور تعلیم وتعلم اور فقہ وفتاوی کے سارے کام انجام دیئے جارہے ہوں، تب بھی تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کے لیے مستقل محنت

کی ضرورت باقی رہے گی، اس کے بغیر سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ معاشرہ رسالت کی نیابت میں کوتاہی کرنے کا مجرم ہوگا، مادی ضروریات میں اگر قیام وطعام اور لباس وغیرہ کا انتظام موجود ہو، لیکن بیماری کے علاج کے لیے کوئی ڈاکٹر یا حکیم میسر نہ ہو، اور کوئی دواخانہ نہ ہو، اگر کوئی شخص بیمار ہوا تو اس کا علاج کرنے والا کوئی نہ مل سکے، بلکہ صبر و ہمت کی تلقین کے سوا کوئی چارہ نہ ہو، اور کچھ تسلی کے لیے کوئی دوا دے دی جائے، تو ایسی سوسائٹی کو ہر انسان ناقص اور قابل اصلاح سمجھتا ہے، اور اس کمی کو جلد از جلد دور کرنے کی فکریں کی جاتی ہیں، بالکل اسی طرح روحانی بیماریوں کا شفاخانہ اسلامی معاشرہ کی ایسی ضرورت ہے جس کی کمی کو گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

مستقل مقصدِ نبوت

تزکیہ فرائض رسالت میں سے ایک مستقل مقصد ہے، اسی لیے قرآن کریم نے اس کو علیحدہ طور پر بیان کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ تعلیم و تبلیغ کا کوئی ضمنی شعبہ نہیں ہے کہ ان کی جدوجہد میں شامل ہو جائے گا، بلکہ یہ ایک مستقل شعبہ ہے جو مستقل محنت و توجہ کا طالب ہے، تعلیم و تبلیغ سے اس کی کفایت نہیں ہو سکتی حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

تزکیہ کو تعلیم سے جدا کر کے مستقل مقصد رسالت اور رسول کا فرض منصبی قرار دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تعلیم کتنی ہی صحیح ہو محض حاصل نہ کرے کیونکہ تعلیم کا کام درحقیقت سیدھا اور صحیح راستہ دکھلا دینا ہے مگر ظاہر ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے محض راستہ جان لینا تو کافی نہیں جب تک ہمت کر کے قدم نہ اٹھائے اور راستہ نہ چلے اور ہمت کا نسخہ بجز اہل ہمت کی صحبت اور اطاعت کے اور کچھ نہیں ورنہ سب کچھ جاننے سمجھنے کے بعد بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد	پر طبیعت ادھر نہیں آتی

عمل کی ہمت و توفیق کسی کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی اس کی صرف ایک ہی

تدبیر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا اسی کا نام تزکیہ ہے قرآن کریم نے تزکیہ کو مقاصد رسالت میں ایک مستقل مقصد قرار دے کر تعلیمات اسلام کی نمایاں خصوصیت کو بتلایا ہے کیونکہ محض تعلیم اور ظاہری تہذیب تو ہر قوم اور ہر ملت میں کسی نہ کسی صورت سے کامل یا ناقص طریق پر ضروری سمجھی جاتی ہے ہر مذہب وملت اور ہر سوسائٹی میں اس کو انسانی ضروریات میں داخل سمجھا جاتا ہے اس میں اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے صحیح اور مکمل تعلیم پیش کی جو انسان کی انفرادی زندگی سے لے کر عائلی پھر قبائلی زندگی اور اس سے آگے بڑھ کر سیاسی وملکی زندگی پر حاوی اور بہترین نظام کی حامل ہے جس کی نظیر دوسری اقوام وملل میں نہیں پائی جاتی اس کے ساتھ تزکیہ اخلاق اور باطنی طہارت ایک ایسا کام ہے جس کو عام اقوام اور سوسائٹیوں نے سرے سے نظر انداز کر رکھا ہے انسانی لیاقت واستعداد کا معیار اس کی تعلیمی ڈگریاں سمجھی جاتی ہیں انہی ڈگریوں کے وزن کے ساتھ انسانوں کا وزن گھٹتا بڑھتا ہے اسلام نے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا ضمیمہ لگا کر تعلیم کے اصل مقصد کو پورا کر دکھایا، جو خوش نصیب حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زیر تعلیم رہے تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کا باطنی تزکیہ بھی ہوتا گیا اور جو جماعت صحابہ کرام آپ کی زیر تربیت تیار ہوئی ایک طرف ان کی عقل ودانش اور علم وحکمت کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا کے فلسفے اس کے سامنے گرد ہو گئے تو دوسری طرف ان کے تزکیہ باطنی اور تعلق مع اللہ اور اعتماد علی اللہ کا یہ درجہ تھا جو خود قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں، تم انہیں رکوع سجدہ کرتے ہوئے دیکھو گے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا

مندی تلاش کرتے ہیں)۔

یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف چلتے تھے فتح ونصرت ان کے قدم چوم لیتی تھی، تائید ربانی ان کے ساتھ ہوتی تھی، ان کے محیر العقول کارنامے جو آج بھی ہر قوم وملت کے ذہنوں کو مرعوب کئے ہوئے ہیں، وہ اسی تعلیم وتزکیہ کے اعلیٰ نتائج ہیں۔ (معارف القرآن)

اور ایک مقام پر لکھتے ہیں: تیسرا فرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی میں تزکیہ ہے، جس کے معنی ہیں ظاہری و باطنی نجاسات سے پاک کرنا، ظاہری نجاسات سے تو عام مسلمان واقف ہیں، باطنی نجاسات کفر اور شرک غیر اللہ پر اعتماد کلی اور اعتقاد فاسد نیز تکبر وحسد بغض حب دنیا وغیرہ ہیں، اگر چہ علمی طور پر قرآن وسنت کی تعلیم میں ان سب چیزوں کا بیان آ گیا ہے، لیکن تزکیہ کو آپ کا جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کردیا گیا کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا اسی طرح نظری وعلمی طور پر فن حاصل ہوجانے سے اس کا استعمال اور کمال حاصل نہیں ہوتا، جب تک کسی مربی کے زیر نظر اس کی مشق کر کے عادت نہ ڈالے، سلوک وتصوف میں کسی شیخ کامل کی تربیت کا یہی مقام ہے کہ قرآن وسنت میں جن احکام کو علمی طور پر بتلایا گیا ہے، انکی عملی طور پر عادت ڈالی جائے۔ (معارف القرآن)

مقاصد میں اہم مقصود

مقاصد نبوت کا جس آیت میں بیان ہوا ہے اس میں تزکیہ کو مقدم کیا گیا ہے، اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

آیت میں تزکیہ کا ذکر مقدم ہے اور تعلیم الکتاب والحکمۃ کا ذکر موخر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل مقصود تو تزکیہ نفس ہے اور تعلیم الکتاب والحکمہ اس کا وسیلہ ہے اور اگر تعلیم ہو اور تزکیہ حاصل نہ ہو تو تعلیم بے فائدہ ہے۔ (معارف القرآن ادریسی سورہ بقرہ آیت ۱۵۱)

تزکیہ کی حقیقت

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: جس طرح ظاہری اعمال میں سے کچھ اعمال فرض ہیں، کچھ واجب ہیں، کچھ حرام ہیں، اسی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے جو جذبات اور خواہشات وارادے ہیں، ان میں سے کچھ فرض وواجب ہیں اور کچھ حرام ہیں، ان میں سے جو فرض وواجب ہیں، انسان ان کو برقرار رکھے اور جو گناہ اور حرام ہیں ان سے اپنے دل کو بچالے، اس کا نام ''تزکیہ'' ہے۔ (اصلاحی خطبات ۱۵/۷۹)

اس کی مزید تفصیل آپ کے ایک وعظ میں اس طرح ہے:

تزکیہ کے لفظی معنی ہے پاک صاف کرنا، شریعت کی اصطلاح میں تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح انسان کے ظاہری اعمال وافعال ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی ہیں، مثلاً یہ کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوۃ دو، حج کرو، وغیرہ، یہ اوامر ہیں، اور جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، شراب نہ پیو، چوری نہ کرو، ڈاکہ نہ ڈالو وغیرہ، یہ نواہی ہیں، اور گناہ ہیں، ان سے بچنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ اسی طرح انسان کے باطن یعنی قلب میں بعض صفتیں مطلوب ہیں، وہ اوامر میں داخل ہیں، ان کو حاصل کرنا واجب ہیں، اور ان کو حاصل کئے بغیر فریضہ ادا نہیں ہوتا، اور بعض صفات ایسی ہیں جن کو چھوڑنا واجب ہے، وہ نواہی میں داخل ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر کرنا واجب ہے، اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو اس پر صبر کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ رکھنا واجب ہے، تواضع اختیار کرنا یعنی اپنے آپ کو کمتر سمجھنا واجب ہے، اخلاص حاصل کرنا یعنی جو کام بھی آدمی کرے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے، اس اخلاص کی تحصیل واجب ہے، اخلاص کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں، لہذا یہ صفات شکر، صبر، توکل، تواضع، اخلاص وغیرہ یہ سب صفات فضائل اور اخلاق فاضلہ کہلاتی ہیں، ان کی

تحصیل واجب ہے۔اسی طرح باطن کے اندر بعض بری صفات ہیں، جو حرام اور ناجائز ہیں، جن سے بچنا ضروری ہے، وہ رذائل اور اخلاق رذیلہ کہلاتی ہیں، یعنی یہ صفات کمینی اور گھٹیا صفات ہیں، اگر یہ صفات باطن کے اندر موجود ہوں تو ان کو کچلا اور مٹایا جاتا ہے، تاکہ یہ صفات انسان کو گناہ پر آمادہ نہ کریں، مثلاً تکبر کرنا، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، حسد کرنا، ریا کاری اور دکھاوا، یعنی انسان اللہ کو راضی کرنے کے بجائے مخلوق کو راضی کرنے کے لیے اور ان کو دکھانے کے لیے کوئی دینی کام کرے، یہ ریا ہے، لہٰذا تکبر حرام، حسد حرام، بغض حرام، ریا کاری حرام، اور بے صبری یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی نہ ہونا بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر شکوہ کرنا حرام ہے، یہ سب رذائل ہیں، جو انسان کے باطن میں موجود ہوتے ہیں، اسی طرح غصہ کو انسان بے محل استعمال کرے تو یہ بھی رذائل میں داخل ہے۔خلاصہ یہ کہ باطن میں بہت سے فضائل ہیں، جن کو حاصل کرنا ضروری ہے، اور بہت سے رذائل ہیں جن سے اجتناب ضروری ہے، رذائل کو کچلنا اور فضائل کو حاصل کرنا اسی کا نام تزکیہ ہے۔(اصلاحی مجالس ۱/۱۳)

فرض عین

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کا تزکیہ کرنے کا کام اہم مقصد بنا کر سپرد کیا تو دوسری طرف امت کے ذمہ بھی یہ فرض عائد کیا کہ اپنا تزکیہ کرے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی اصلاح کروائے، اور فلاح و کامیابی کو اس پر موقوف رکھا، چناں چہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (یقیناً کامیاب ہوگیا وہ شخص جو پاک ہوگیا)۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں تصریح ہے کہ مدار فلاح کا تزکیہ نفس پر ہے۔(اشرف التفاسیر)

"قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا (یقینا کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کیا)۔

اس آیت کے ذیل میں بھی حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد ہے: یہ ایک مختصر سی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تزکیہ کو مدار فلاح ٹھہرایا ہے جس سے تزکیہ کی ضرورت ظاہر ہے۔ کیونکہ فلاح کی ضرورت سب کو ہے اور اس کا مدار تزکیہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔ (اشرف التفاسیر)

تزکیہ ایک جامع لفظ ہے، اس کے ماتحت بہت سارے فروعی احکامات داخل ہیں، جیسے تکبر، حسد، حب جاہ، حب مال اور بغض وکینہ وغیرہ سے بچنا، اور اخلاص، تواضع، زہد وتوکل وغیرہ ضروری صفات سے خود کو سوارنا، یہ ساری چیزیں مامور بہا ہیں، قرآن وحدیث میں ان کا حکم دیا گیا ہے، اور ان کو انجام دینے کا نام ہی تزکیہ ہے، جیسا کہ حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کے بیان سے واضح ہو گیا، دارالعلوم دیوبند، دارالافتاء کی ویب سائٹ پر سوال نمبر ۵۵۸۹۱ کے جواب میں لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا "قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا" یعنی بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا، تزکیہ کے اصل معنی باطنی پاکی کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرلیا وہ کامیاب ہوا، اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا، اسی طرح احادیث میں تکبر حسد وغیرہ کی مذمت آئی ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں تزکیہ نفس کا ذکر قرآنِ مجید میں مذکور ہے اسی وجہ سے فقہاء نے بھی اس کو فرض لکھا ہے۔

حضرت مفتی رفیع عثمانی دامت برکاتہم اپنے ایک وعظ کے دوران فرمایا کہ دل کا تزکیہ فرض عین ہے۔ (اصلاحی تقریریں ۲/۱۷۹)

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ (خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی) نے اپنی کتاب "تصوف اور نسبت صوفیہ" میں علامہ شامی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی، حضرت تھانویؒ وغیرہ اکابر سے تزکیہ واحسان کی فرضیت نقل کی ہے۔

تزکیہ کے بغیر کمال نہیں

جب تزکیہ نفس فرض ہے، تو ظاہر بات ہے کہ فرض کو چھوڑ کر کوئی مسلمان دینی کمال حاصل نہیں کرسکتا، پس تزکیہ نفس سے غفلت کرنے والا کامل مسلمان نہیں ہوسکتا، کوئی شخص دین کے دیگر احکامات کا پابند ہے، اور دینی خدمات میں بھی لگا ہوا ہو، دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتعلم میں بھی حصہ لیتا ہے، لیکن تزکیہ نفس کی کوئی فکر نہیں ہے، تو مکمل اسلام پر عمل کرنے والا اور مومن کامل نہیں ہوگا، اور کمال ایمان پر اللہ تعالیٰ کے جو وعدے ہیں وہ اس کو حاصل نہیں ہوں گے، بلکہ ادھورے دین پر عمل کرنے والا شمار ہوگا، اور گنہگار رہوگا، باقی اعمال کے ثواب سے محروم تو نہیں رہے گا، لیکن وہ اعمال تزکیہ کی طرف سے کافی نہیں ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب دل بجھا ہوا اور بے نور ہو تو اولاً اعمال میں کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، اور اگر ظاہری اعمال کر بھی لیے تو بسا اوقات دل کی بیماریاں ان کی مقبولیت میں رکاوٹ بن جاتی ہیں، ان بیماریوں کی وجہ سے بڑے بڑے اعمال بھی قبول نہیں ہوتے، بلکہ عذاب کا سبب بن جاتے ہیں، مشہور حدیث ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے عالم، سخی اور مجاہد کو جہنم میں ڈالا جائے گا، ان کے اعمال تو درست تھے، لیکن دل میں کھوٹ تھی، اور بعض مرتبہ اعمال قبول بھی ہوجاتے ہیں لیکن وہ باقی نہیں رہتے، ان کا ثواب ایذارسانی اور حقوق کی پامالی کی وجہ سے دوسروں کو پہنچ جاتا ہے، ان تمام گھاٹیوں سے انسان اسی وقت پار ہوسکتا ہے جب دل کا تزکیہ ہوجائے، اور اس میں صلاح پیدا ہوجائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَلا وإنّ في الجسدِ مُضْغةً: اذا صلحتْ صَلحَ الجسَدُ كلُّه، وَإذا فسَدتْ فَسدَ الجَسدُ كلّه، اَلا وَهي القلبُ (بخاری، مسلم) (سنو! بلاشبہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے،

جب وہ درست ہوتا ہےتو سارا بدن درست ہوتا ہے، اور جب وہ بگڑتا ہےتو سارا بدن بگڑ جاتا ہے،سنووہ دل ہے)۔

فضائل

تزکیہ نفس اور اصلاح نفس کی منزل سے جوشخص پار ہوجاتا ہے، وہ کامل مسلمان اور اللہ کا محبوب ومقرب بندہ بن جاتا ہے، رضائے الٰہی کی فکر کے علاوہ دونوں جہاں کے ہموم وغموم سے نجات پالیتا ہے، دنیا دارالامتحان ہے، اس میں مصائب اور حالات کا نشیب وفراز تو لازمی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے دوستی کا شرف اس کو حاصل ہوتا ہے، جس کی برکت سے دنیا کے حالات میں بھی وہ پریشان نہیں ہوتا، بلکہ اس کو ایک طرح کی لذت محسوس ہوتی ہے، قرآن وحدیث میں کمال ایمان پر اور تقویٰ اور صفت احسان پر جتنے بھی فضائل وارد ہوئے ہیں وہ ان کا مستحق بنتا ہے، دربار الٰہی میں اس کا ایک مقام بنتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات) (درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو)۔

واضح رہے کہ تزکیہ، تقویٰ اور احسان سب کا ایک ہی مفہوم ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے واضح کیا جاچکا ہے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ تقویٰ اور تزکیہ دونوں مرادف ہیں۔ (اشرف التفاسیر ۴/۳۰۵)

مندرجہ ذیل آیتوں میں ملاحظہ فرمائیں کہ تزکیہ اور تقویٰ پر دنیا وآخرت کی ساری کامیابیوں اور بشارتوں کا وعدہ ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (الطلاق) (اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کردے گا۔

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا﴾ (اور جو کوئی اللہ سے

ڈرے گا، اللہ اس کے گناہوں کو معاف کردے گا، اور اس کو زبردست ثواب دے گا)۔

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کردے گا)۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ (یونس ۶۴) ''یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور تقویٰ اختیار کیے رہے۔ ان کے لیے خوش خبری ہے دنیوی زندگی میں بھی ور آخرت میں بھی، اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہی زبردست کامیابی ہے''۔

اور بھی بہت ساری نصوص ہیں، لیکن مختصر رسالے میں اس کی گنجائش نہیں، رغبت کرنے والوں کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ وہ اللہ کا دوست اور محبوب بن جائے۔

طریقۂ تحصیل

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور دین اسلام کا کمال دیکھئے کہ جہاں اس نے تزکیہ اور تقویٰ کا حکم فرمایا وہیں اس کو حاصل کرنے کا آسان راستہ بھی دکھا دیا، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبة: ۱۱۹) ''اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھ رہو''۔

علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے: خالطوهم لتكونوا مثلهم یعنی تم ان سے مل جاؤ، ان کے ساتھ ہی رہ پڑو، تاکہ تم بھی ان کے مثل ہوجاؤ۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں عام مسلمانوں کو تقویٰ کے لیے ہدایت

فرمائی گئی ہے، اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ صفت تقویٰ حاصل ہونے کا طریقہ صالحین اور صادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے۔

(بصائر حکیم الامت ص ۱۴۶)

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم بیان فرماتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام بھی عجیب وغریب ہے، کلام اللہ کے عجیب وغریب اعجازات ہیں، ایک جملہ کے اندر باری تعالیٰ جتنا کچھ انسان کے کرنے کا کام ہوتا ہے وہ بھی سارے کا سارا بتا دیتے ہیں، اور پھر اس پر عمل کرنے کا جو طریقہ ہے اور اس کا جو آسان راستہ ہے وہ بھی اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو بتا دیتے ہیں کہ ویسے کرنا تمہارے لیے مشکل ہوگا ہم تمہیں اس کا راستہ بتائے دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اختیار کرو تو اب اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، تقویٰ میں سبھی کچھ آ گیا، لیکن سوال پیدا ہوا کہ تقویٰ کیسے اختیار کریں؟ تقویٰ تو بڑا اونچا مقام ہے، اس کے لیے بڑے تقاضے ہیں، بڑی شرائط ہیں، وہ کیسے اختیار کریں، کہاں سے اختیار کریں؟ اس کا جواب اگلے جملے میں باری تعالیٰ نے دیا کہ ویسے تقویٰ اختیار کرنا تمہارے لیے مشکل ہوگا لیکن آسان راستہ تمہیں بتائے دیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ صادقین کے ساتھی بن جاؤ۔ سچے کے معنی صرف یہی نہیں کہ وہ سچ بولتے ہوں اور جھوٹ نہ بولتے ہوں، بلکہ سچے کے معنی یہ ہیں کہ جو زبان کے سچے، جو بات کے سچے، جو معاملات کے سچے، جو معاشرت کے سچے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے کئے ہوئے معاہدہ میں سچے ہیں، اس کے ساتھی بن جاؤ اور ان کی صحبت اختیار کرو، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کرو، جب اٹھنا بیٹھنا شروع کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے تقویٰ کی جھلک تمہارے اندر بھی پیدا فرما دیں گے۔ یہ ہے تقویٰ حاصل

کرنے کا طریقہ اوراسی طریقہ سے دین منتقل ہوتا چلا آیا ہے، نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک جو دین آیا ہے، وہ سچے لوگوں کی صحبت سے آیا ہے، صادقین کی صحبت سے آیا۔ (اصلاحی خطبات ۱۴/ ۱۰۷)

معلوم ہوا کہ تزکیہ کے لیے اور صفت تقویٰ حاصل کرنے کے لیے متقین کی صحبت ومعیت اختیار کرنا چاہئے، اس کی برکت سے انسان کے لیے مکمل دین پر چلنا، تقویٰ اختیار کرنا، اور اپنی اصلاح کرنا آسان ہوجاتا ہے، واقعی اللہ کی صحبت میں مقاطیس کی کشش، کیمیا کی تاثیر، بارش کی سی حیات، پھولوں جیسی مہک، رسیلے میووں کی سی لذت، شراب طہور جیسی فرحت، نسیم سحر کے جھونکوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے، لالہ وگل نہر کے کنارے شاداب اور تروتازہ رہتے ہیں۔

صحبت اہل صفا نور وحضور وسرور	سرخوش وپرسوز ہے لالہ لبِ آبجو

لیکن اس کا تعلق دید وشنید سے نہیں، بلکہ ذوق ووجدان سے ہے، اس کی افادیت کو اور اس سے ملنے والی دولت کو الفاظ میں قید کرنا ناممکن ہے، تاہم کہنے سننے سے کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور دل میں شوق پیدا ہوسکتا ہے، اس لیے صحبت صالح کے موضوع پر کچھ اہم باتیں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اللہ ہمیں سمجھا دیں، اور اس پر عمل کرنا آسان فرمائیں۔

بابِ دوم: صحبت کی اہمیت وضرورت

تاثیرِ صحبت مسلمہ حقیقت ہے

صحبت کے ذریعہ صفات کا منتقل ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے، آدمی اپنے ہم نشیں کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتا، صالحین کی صحبت سے اچھے صفات آتے ہیں، اور بدوں کی صحبت سے بدی منتقل ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ امام غزالیؒ سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: الطِّبَاعَ مَجْبُولَةٌ عَلَى التَّشَبُّهِ وَالاِقْتِدَاءِ بَلِ الطَّبْعُ يَسْرِقُ مِنَ الطَّبْعِ مِنْ حَيْثُ لَايَدْرِي صَاحِبُهُ (مرقاة المتاتيح، باب الحب فی الله) یعنی انسانی طبیعت میں مشابہت اختیار کرنا اور نقل کرنا فطری طور پر داخل ہے، بلکہ انسانی طبیعت دوسری طبیعت سے اس طرح صفات وعادات چوری کرتی ہے کہ خود انسان اس سے بے خبر ہوتا ہے۔

شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ نے فرمایا: صحبت کا اثر ایک مسلمہ چیز ہے، جس طرح ہر چیز میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک خصوصیت رکھی ہے، اسی طرح صحبت اور محبت کا بھی ایک خاصہ ہے، صحبت کا اثر تو اتنی بدیہی چیز ہے کہ عام لوگ بھی جانتے ہیں، حتی کہ اپنے بچوں کو کہا کرتے ہیں کہ دیکھو! برے لوگوں کے پاس نہ بیٹھنا، اور ہمیشہ اچھے لوگوں کے پاس بیٹھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں، یہ اس لیے کہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ (سوانح حضرت رائے پوری ۳۲۷)

اس حقیقت کو ایک حسی مثال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالجَلِيسِ السُّوْءِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ المِسْكِ وَكِيرِ الحَدَّادِ، لايَعْدمُكَ مِنْ صَاحِبِ المِسْكِ اِمَّا تَشْتَرِيهِ، اوتَجِدُ رِيحَهُ، وَكِيرُ الحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ اوْ ثَوْبَكَ او تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً (بخاری، مسلم)

بہتر ہم نشیں کی مثال مُشک والے آدمی کی سی ہے، یا تو تو مشک خریدے گا، یا کم از کم اس کی خوشبو پالے گا، اور بدتر ہم نشیں کی مثال آگ کی بھٹی والے کی طرح سے ہے، وہ تیرے بدن یا کپڑوں کو جلا ڈالے گی، اور اگر ایسا نہیں ہوا تو اس کی بدبو تو ضرور پریشان کرے گی۔

صحبت کی تاثیر اتنی قوی ہے کہ مختلف انواع کے افراد میں بھی اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑا رکھنے والوں میں تکبر ہوتا ہے، اور بکریاں رکھنے والوں میں وقار اور سکینت ہوتی ہے۔ (مشکوۃ) اس حدیث کے بعد ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کی صحبت بھی نفس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ (مرقاۃ)

اس سے بھی آگے بڑھ کر آدمی بے جان چیزوں کا اثر بھی قبول کرلیتا ہے، قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، ہر چیز اپنا اثر کرتی ہے، آپ روز دریا کے کنارے پر دو چار گھنٹے جا کر بیٹھا کریں مزاج میں رطوبت پیدا ہوگی، تری آجائے گی، اس لیے کہ پانی کی صحبت اختیار کی، آپ آگ کے پاس بیٹھیں، مہینہ بھر سینکتے رہیں مزاج میں جھنجھلاہٹ اور گرمی پیدا ہوجائے گی، آپ مٹی پر بیٹھیں یبوست اور خشکی پیدا ہوجائے گی، مٹی کا اثر ہی یہ ہے، جب یہ ساری چیزیں جو بے شعور اور بے جان کہلاتی ہیں یہ بھی اثر کرتی ہیں کسی جاندار کے پاس بیٹھیں گے تو اس کا اثر کیوں نہ ہوگا، اور جاندار کے ساتھ اگر ایماندار کے پاس بیٹھیں گے تو ایمان کا اثر کیوں نہ ہوگا۔ (خطبات حکیم الاسلام ۳/ ۷۸)

صحیح استعمال

اس فطرت انسانی کا صحیح استعمال کرکے اس سے بڑی خیر حاصل کی جاسکتی ہے، کیوں کہ دینی مزاج ومذاق، اسلامی جذبات وخیالات اور شرعی اطوار واخلاق کو منتقل کرنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت کامیاب اور مؤثر ثابت ہوئی ہے، خواجہ ممشاد دینوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اہل

صلاح کی صحبت میں بیٹھنے سے دل میں صلاح پیدا ہوتی ہے، اور اہل فساد کی صحبت میں رہ کر دل میں فساد ہوتا ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت ۱۴۹)

امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں: مُجَالَسَةُ الْحَرِيصِ عَلَى الدُّنْيَا تُحَرِّكُ الْحِرْصَ وَمُجَالَسَةُ الزَّاهِدِ تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا فَلِذَلِكَ تكره صحبة طلاب الدنيا ويستحب صحبة الراغبين في الآخرة (احياء العلوم) ''جو شخص دنیا کا حریص ہو اس کی صحبت حرص پیدا کرتی ہے، اور جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو اس کی صحبت سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے، اسی لیے دنیا کے طلبگاروں کی صحبت غیر پسندیدہ ہے، اور آخرت کی طرف رغبت کرنے والوں کی صحبت پسندیدہ ہے''۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ احَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ (ترمذی) یعنی ہر شخص اپنے دوست کی دینی حالت سے متاثر ہو ہی جاتا ہے، اس لیے دوستی سے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ جس کو دوست بنایا جارہا ہے وہ کیسا شخص ہے۔

صحبت بذاتِ خود مؤثر ہے

بسا اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ خاموش بیٹھے رہنے سے، یا وعظ و نصیحت کے بغیر صرف ساتھ رہنے سے کیا فائدہ؟ فائدہ تو اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ وعظ و نصیحت سننے کا موقع ملے، اس غلط فہمی کو دور کرنا ضروری ہے، صحبت کی تاثیر کے لیے وعظ و نصیحت شرط نہیں ہے، اس کے بغیر بھی صحبت اپنا رنگ لاتی ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کی صحبت میں ہم جا کر بیٹھ گئے تو خالی صحبت اور پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ؟ جب تک کہ وہ بزرگ کچھ تعلیم نہ فرمائیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی

طبیعت میں خاصہ ہے مسارقت کا، یعنی انسان اپنی ہم نشین کے اخلاق وعادات کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہے، اور یہ جذب اور مسارقت ایسی خفیہ طور پر ہوتی ہے کہ خود اس سارق کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ میں چرا رہا ہوں، اور پھر اس مسارقت کے لیے یہ بھی شرط نہیں کہ ہم نشین معتقد فیہ (ایسا شخص جس کی عقیدت وعظمت دل میں ہو) ہی ہو، بلکہ انسانی طبیعت غیر معتقد فیہ کے اخلاق وعادات کو بھی جذب کرتی ہے، تو جب غیر معتقد فیہ کے ساتھ ہی یہ مسارقت ہوتی ہے تو اگر کسی اپنے معتقد فیہ اور بزرگ کی صحبت اختیار کی جائے وہاں تو یہ مسارقت بدرجۂ اولی ہوگی، بس یہ وجہ ہے کہ بزرگوں کی خالی صحبت بھی مفید ہوتی ہے۔ (انفاس عیسی ۶۴۵)

حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کے ایک مرید تھے، انہوں نے ایک دفعہ حضرت تھانویؒ کے پاس خط لکھا کہ حضرت! میرے اندر غصہ بہت زیادہ ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہوجائے، لہذا اس کے لیے کوئی نسخہ تجویز فرمادیں، وہ صاحب لکھنؤ سے قریب رہنے والے تھے۔ حضرت نے ان کو جواب لکھا کہ لکھنؤ میں میرے ایک خلیفہ فلاں حکیم صاحب رہتے ہیں، فلاں جگہ پر ان کا مطب ہے، تم ان سے اجازت لے کر ان کے پاس بیٹھ جایا کرو، وہ تو اپنے کام میں مشغول رہیں گے لیکن تم ان کے پاس جا کر بیٹھ جایا کرو، یہ بھی لکھا کہ پندرہ دن تک بیٹھنے کے بعد مجھے خط لکھنا کہ کیا اثر ہوا، چناں چہ ان صاحب نے حکیم صاحب کی اجازت لے کر ان کی صحبت میں بیٹھنا شروع کیا، پندرہ دن کے بعد انہوں نے حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ غصہ بالکل کافور ہوگیا، لیکن ایک سوال ذہن میں آیا ہے کہ حکیم صاحب نے نہ مجھے کچھ کہا اور نہ میں نے ان سے کچھ کہا، صرف ان کے پاس بیٹھنے سے میرا غصہ کیسے ختم ہوگیا؟ یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا، حضرت کے پاس خط آیا تو اس کا جواب لکھا کہ جی! کہ نہ انہوں نے کچھ کہا، نہ تم نے کچھ کہا، لیکن ان کے دل میں جو حلم کا مادہ تھا صحبت کی تاثیر سے وہ منتقل ہوکر تمہارے دل میں آگیا۔ (واقعات پڑھیے اور عبرت لیجئے ۱۶۱)

جمِ غفیر کی شہادت

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی کتاب ’’تحفۃ السالکین‘‘ میں فرماتے ہیں:

بے شمار لوگوں کی ایک جماعت جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عقل محال سمجھتی ہے، اور اس قسم کی جماعت ہے کہ اس کا ایک فردِ بشر تقویٰ اور علم کے باعث ایسا درجہ رکھتا ہے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت لگانا جائز نہیں ہے، زبان قلم سے اور قلم زبان سے (یعنی تقریر وتحریر سے) خبر دیتی ہے کہ ہم کو مشائخ کی صحبت کی وجہ سے جن کی صحبت کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچتا ہے، عقائد وفقہ کے سوا جن سے وہ ان کی صحبت سے پیشتر بھی بہرہ یاب ہیں، باطن میں ایک نئی حالت پیدا ہوگئی ہے، اور اس حاصل شدہ حالت سے ان کے دل میں خدا اور خدا کے دوستوں سے محبت اور اعمال صالحہ کا شوق اور نیکیوں کی توفیق، اور سچے اعتقادات اور زیادہ راسخ ہو گئے ہیں، یہی حالت ہے جس کو کمال کہنا چاہئے، اور یہی حالت بہت سے کمالات کی موجب ہے۔

(تصوف اور نسبت صوفیہ ۱۱)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ ’’مجالس حکیم الامت‘‘ کے مقدمہ کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ’’اسلام کے قرنِ اول سے لے کر آج تک ہر زمانے میں خلق اللہ کی تعلیم وتربیت اور اصلاح اعمال واخلاق کے لیے علماء، صلحاء اور اولیاء اللہ کی مجلسیں نسخۂ اکسیر ثابت ہوئی ہیں‘‘۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی صحبت اکسیر اعظم ہے، بدوں اس کے کچھ نہیں ہوتا، خواہ اپنے کو کیسا ہی بڑا سمجھے۔ (ملفوظات حکیم الامت، پنجم ۲۳۱)

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

خدا کے صحیفوں کو دیکھ لیجیے، اللہ کے عارف بندوں کی سوانح پڑھ لیجیے، اور پھر تاریخی شہادتوں کا مطالعہ کر لیجیے، آپ دیکھیے گا کہ جب بھی انسان انسان بنتا ہے وہ ہمیشہ انسان ہی سے

بنتا ہے۔ (طالبان علوم نبوت کا مقام اوران کی ذمہ داریاں، اول ۱۹۴)

مؤثر ترین حالت

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''اخبارالاخیار'' میں لکھتے ہیں:

برارباب الباب واصحاب ابصارکہ زمرۂ اہل خبرت واعتبار اند محقق ومقرراست کہ مؤثر ترین حالات بلکہ افضل عبادات مصاحبت اہل کمال ومجالست مقربان درگاہ ذوالجلال است۔

حضرت مولانا قمرالزماں صاحب نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:

تمام ان ارباب فہم اوراصحاب بصیرت کے نزدیک جن کا شمار باخبراورقابل اعتبار ہستیوں میں کیا جاتا ہے، یہ امر محقق اور مسلّم ہے کہ مؤثر ترین حالت بلکہ افضل ترین عبادت اہل اللہ کی صحبت اور مقربان دربار خداوندی کی ہمنشینی ہے۔ (معارف صوفیہ ۲۶۸)

اعلی واقوی طریق

حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: سب سے بہتر طریقہ علم اوراخلاقی کمال حاصل کرنے کا فیض صحبت ہے، اہل اللہ اوراکابر دین کی خدمت میں رہ کران کی زبان سے جب آدمی سنتا ہے توعلم آدمی کے دل میں اترتا ہے، ان کے فیض صحبت سے اخلاق درست ہوتے ہیں، حضرات صحابہؓ کوصحابہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں، صحابہ اس طرح علم حاصل نہیں کرتے تھے کہ کوئی کتاب سامنے کھلی ہوئی ہے رات دن مطالعہ کررہے ہیں جس طرح ہم مطالعہ کرتے ہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے، فیض صحبت حاصل کیا، فیض صحبت کی برکت سے علماء، عرفاء، کامل، زاہداوردرویش بن گئے، علم واخلاق کے سارے کمالات پیدا ہوجاتے تھے، اعلی ترین طریق فیض صحبت ہے۔ (خطبات ۲/۳)

صحبت سے وہ قلبی نور منتقل ہوتا ہے جودوسروں کے قلب کے اندر ہے، اس لیے دین میں

کمال پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ اہل اللہ، اکابر دین کی صحبت ہے کہ کتاب سے وہ چیز حاصل نہیں ہوگی جو قلب سے حاصل ہوگی۔ (خطباتِ حکیم الاسلامؒ ۳/۸۱)

حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: یہ بات تجربہ سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحبت نیک جڑ ہے تمام دین کی۔ دین کی حقیقت، دین کی حلاوت، دین کی قوت کے جتنے ذریعے ہیں سب سے بڑھ کر ذریعہ ان چیزوں کا صحبت نیک ہے۔ چوں کہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ دوسرے انسان کے خیالات اور حالات سے بہت جلد اور بہت قوت کے ساتھ اور بدون کسی خاص کوشش کے اثر قبول کرلیتا ہے اچھا اثر بھی اور بُرا اثر بھی، اس لیے اچھی صحبت بہت ہی بڑے فائدے کی چیز ہے۔ (حیاۃ المسلمین، روح ہفتم)

آسان راستہ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اعلیٰ چیز میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اور انسان سہولت پسند ہے، اس لیے اس اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ پر قناعت کرلیتا ہے، لیکن ''صحبت اہل اللہ'' ایک ایسی نعمت ہے جو اعلیٰ ہونے کے باوجود اسہل بھی ہے، یعنی کامیابی کے ساتھ اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا سب سے اعلیٰ اور سب سے آسان طریقہ اہل اللہ کی صحبت ہے، حضرت حکیم اختر صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحبؒ فرماتے تھے کہ حکیم اختر! یوں تو اللہ کا راستہ مشکل ہے، نفس سے مقابلہ مشکل ہے، مگر اللہ والوں کی صحبت سے اور ان کی دعاؤں سے اللہ کا راستہ نہ یہ کہ آسان ہوجاتا ہے بلکہ مزیدار بھی ہوجاتا ہے۔ (مواعظ دردِ محبت دوم ۱۰۹)

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: طلبِ آخرت کی حقیقت یہ ہے کہ آخرت کا دھیان اور دھن رہے، اور یہ کوئی مشکل بات نہیں، اور اس کے حصول کا سہل طریقہ یہ ہے کہ صحبت اہل اللہ اختیار کرو، گاہے گاہے ان سے ملتے رہو، ان کے پاس

بیٹھو، ان کی باتیں سنو، ان سے تعلق رکھو۔ (انفاس عیسی ۲۹۴)

مؤرخ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی شہادت ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں:

قدیم زمانہ میں صحبت سب سے آسان طریقہ علاج تھا، بڑے بڑے ائمہ فن اور علماء خدا کے ایسے مخلص وربّانی بندوں کی تلاش میں رہتے تھے، خواہ وہ علم میں ان سے کم مرتبہ ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کہ ان کی مجلس اور صحبت میں وہ کچھ ملتا تھا، جو اصلاح حال وتربیت باطنی میں ممدو معاون تھا، نفس اور شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہوتا۔ (دستور حیات ۲۱۸)

مفتی تقی عثمانی نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ اس وقت دین کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آدمی اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے، اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ رکھتے ہیں اور دین پر عمل پیرا ہیں، جو شخص جتنی صحبت اختیار کرے گا وہ اتنا ہی دین کے اندر ترقی کرے گا۔ (اصلاحی خطبات ۱۰/ ۱۳۸)

حکیم اختر صاحبؒ اپنے مواعظ میں فرماتے ہیں: گناہ کو چھوڑنا جس کو مشکل ہو رہا ہے وہ کسی شیخ کی صحبت میں چالیس دن رہ لے، ان شاءاللہ سب کام بن جائیں گے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو اپنے شیخ کے ساتھ چالیس دن رہ لے اس میں ایک حیات ایمانی اور نسبت مع اللہ پیدا ہو جائے گی، جیسے اکیس دن مرغی کے پروں میں انڈا رہے تو اس میں جان آجاتی ہے یا نہیں؟ پھر وہ خود چھلکا توڑ کر باہر آجاتا ہے، تو فرمایا کہ چالیس دن کسی اللہ والے کے پاس رہ لو۔ (مواعظ درد محبت ۱/ ۳۷۴)

حضرت تھانویؒ سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ نماز کی پابندی نہیں ہوتی تو حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کے دو علاج ہیں، ایک سہل، ایک مشکل، مشکل علاج یہ ہے کہ اپنے اوپر کوئی جرمانہ مقرر کرے جو نہ اس قدر زیادہ ہو کہ پابندی کے ساتھ اس کا ادا ہونا ہی مشکل ہو، اور نہ اس قدر کم ہو کہ نفس پر شاق ہی نہ ہو، یہ علاج تو مشکل ہے، کیونکہ خود اپنے اوپر سزا جاری کرنا مشکل کام

ہے، دوسرا علاج سہل یہ ہے کہ جس سے عقیدت ہو اس کے پاس کچھ دن رہے، اس سے ان شاء اللہ خود بخود اصلاح ہو جاوے گی۔ (ملفوظات حکیم الامت ۲۳/ ۲۶۵)

پاکیزہ اخلاق کا منبع

حضرت قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: اصل چیز اخلاق درست کرنے کی یہ ہے کہ صحبت صالح اختیار کی جائے، ان کے پاکیزہ اخلاق کا اثر آپ کے قلب پر پڑے گا، چند دن کے بعد آپ کو فرق محسوس ہوگا کہ اخلاق کچھ صحیح ہونے لگے، دل کا راستہ بدل جائے گا، دل ادھر ہی کو چل پڑے گا جدھر کو وہ صالح اور نیک آدمی چل رہا ہے، اس لیے سب سے اعلیٰ طریقہ علم ومعرفت اور اخلاق حاصل کرنے کا اہل اللہ، اہل دل اور سچوں کی صحبت ہے، اسی واسطے قرآن کریم میں امر فرمایا گیا'' یٰاَیّھا الّذِیْنَ آمَنُوا اتّقُوْا اللّٰہَ وَکُوْنُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کی معیت اختیار کرو، یعنی ڈر تمہارے دل میں قائم نہیں رہے گا جب تک ڈر والوں کی معیت اختیار نہ کرو، ان کے پاس بیٹھو تو ڈر دل میں اثر کر جائے گا، تقویٰ دل کے اندر اثر کر جائے گا، دین اہل اللہ کی صحبت سے پیدا ہوتا ہے، نہ کتاب سے آتا ہے نہ مدرسوں کے دروازوں سے، اہل دل کے دل سے آتا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ۳/ ۷۸)

ایمانی کیفیات کا سرچشمہ

حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں: اصل میں شیخ کی خدمت میں جسم کے ساتھ حاضر رہنے سے شیخ کے قلب سے مرید کے قلب میں انوار یقین وانوار نسبت منتقل ہوتے رہتے ہیں، کتابوں سے ہمیں شریعت کے کمیات ملتے ہیں یعنی مقادیر احکام شرعیہ، کہ مغرب کی تین رکعات ہیں عشاء کی چار، فجر کی دو ہیں وغیرہ، لیکن کس کیفیت سے ہم نماز پڑھیں کس درد سے سبحان ربی الاعلیٰ کہیں، کس کیفیت ایمانی سے اللہ کا نام لیں، یہ کیفیات ملتی ہیں اللہ والوں کے

سینوں سے، کمیات احکام شرعیہ کے ملتے ہیں کتابوں سے، کیفیات ایمانیہ ملتی ہیں اہل اللہ کے سینوں سے،، ان کے دل کا نورِ یقین ان کے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں منتقل ہو جاتا ہے، اسی لیے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ اے علمائے دین! میرے علم میں جو برکت آپ دیکھ رہے ہیں یہ خالی کتب بینی سے نہیں حاصل ہوئی، بلکہ قطب بینی سے حاصل ہوئی ہے، میں نے کتب بینی کے ساتھ قطب بینی بھی کی ہے، میں نے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زیارت کی، مولانا گنگوہیؒ کی زیارت کی، مولانا یعقوب نانوتویؒ کی زیارت کی، یہ حضرات اپنے وقت کے قطب تھے، اگر آج بھی وہ علمائے دین جن کا تعلق کسی سے نہ ہو اگر کسی اللہ والے سے جس سے مناسبت ہو تعلق قائم کر لیں تو زندگی کا مزہ آجائے گا۔ (مواعظ دردِ محبت ۱/۴۷۳)

قسمت وقبولیت کی نشانی

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں جب حق تعالیٰ شانہ کسی کو اپنا بناتے ہیں تو اس کے اسباب ویسے ہی جمع فرما دیتے ہیں، ان اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی کسی پر نظر شفقت ہو جاوے، اور صحبت میسر آجائے تو بہت ہی بڑی چیز ہے، ان کی تو اگر کوئی جوتیاں بھی کھائے تو وہ بھی محروم نہیں رہتا۔ (ملفوظات حکیم الامت، پنجم ۳۵۱)

حضرت شیخ ابن عطاء اللہ اسکندریؒ نے ''الحکم'' نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جو اہل معرفت کے نزدیک بڑی قابل قدر ہے، آپؒ نے اس میں ایک بات تحریر فرمائی ہے:

سبحان من لم یوصل الی اولیاءہ الا من ارادان یوصلہ الیہ (الحکم لابن عطاء)

ترجمہ: پاکی ہے اس ذات کے واسطے جس نے اپنے اولیاء تک اسی کو پہنچایا جس کو اپنی طرف پہنچانا چاہا۔ (اکمال الشیم ۳۸)

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ مرید کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو اہل اللہ کی صحبت میں بھیج دیتے ہیں۔ (تصوف کیا ہے؟ ۹۵)

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:

وہ شخص بڑا قسمت ور اور خوش نصیب ہے، جس کو کوئی ایسا ربّانی عالم اور طبیب حاذق میسّر آجائے، جو اس کو متنبہ کرے، اور اخلاقی کمزوریوں اور مخفی بیماریوں سے آگاہ کرے، اور ان سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ تجویز کرے، اور اس کو آسان اور ممکن العمل بناوے اس کو نور باطن مستفید و مریض میں سرایت کرے، اس کی صفات وخصوصیات کا اس پر پرتو پڑے اس کے محاسبہ نفس اور خوف وخشیت کو دیکھ وہ عبرت اور سبق حاصل کرے۔ (دستور حیات ۲۱۸)

حضرت پیر ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم اپنے مواعظ میں فرماتے ہیں:

صحبت صلحا ایسا تریاق ہے جو دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیتا ہے، اللہ والوں کی نگاہوں میں وہ تاثیر ہوتی ہے وہ فیضان ملتا ہے جس سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے، اس لیے اللہ والوں کی صحبت جس شخص کو نصیب ہوگئی وہ انتہائی خوش نصیب انسان ہے۔ (خطبات فقیر ۱/ ۱۴۳)

بہت بڑی نعمت

حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں: دوستو! صحبت اہل اللہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس پر اگر کتابوں کی کتابیں لکھی جائیں تو حق ادا نہیں ہوسکتا۔ (مواعظ درد محبت ۲/ ۱۴۲)

بعض بڑے اللہ والوں سے مروی ہے کہ قبولیت کی گھڑی میں یہ دعا کرنی چاہئے کہ کسی ولی اللہ کی صحبت مل جائے، یہ بڑی دولت ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: آج کل صحبت کو سب سے گھٹیا درجہ کی چیز سمجھ رکھا ہے، حالانکہ یہ سب سے بڑی چیز ہے۔ (انفاس عیسی ۵ ۶۴)

ایمان کی سلامتی کا ذریعہ

اس دورفتن میں تو اہل اللہ کی صحبت کے بغیر ایمان بچانا بھی مشکل ہوجاتا ہے، کیوں کہ ایمان بالغیب کے لیے اسلام کی عظمت ومحبت کا ہونا ضروری ہے، جب تک ایمانی نور سے دل منور نہیں ہوگا اسلامی تعلیمات پر شرح صدر حاصل نہیں ہوسکتا، اور بغیر شرح صدر کے بدعت و ضلالت، الحادوزندقہ اور عقلی شکوک وشبہات اور نفسانی خواہشات کے طوفان میں ایمان کو سلامت رکھنا آسان نہیں ہے، جیسے تیز وتند سیلاب میں ایک ایسے درخت کی حفاظت کرنا مشکل ہے جو بالکل سوکھ گیا ہو، اوراس کی جڑیں بھی زیادہ گہری نہ ہوں، اور ایمانی نور، اسلام کی عظمت ومحبت اوراس پر شرح صدر کی دولت اللہ والوں کے سینوں میں محفوظ ہے، اور وہ ان کی صحبت کے ذریعہ ہی حاصل کی جاسکتی ہے، حضرت حکیم الامت مجدد الملتؒ نے فرمایا:

میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کی فرض عین کہتا ہوں اور فتوی دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اوران سے تعلق رکھنا فرض عین ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ فرض عین ہیں اس لیے کہ ایمان کی سلامتی کا جو ذریعہ ہوگا اس کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہوسکتا ہے اور یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے اس تعلق کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ (ملفوظات حکیم الامت ۳۶/۹)

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ارشادات میں یہ بات بھی ہے کہ اللہ والوں سے لپٹا رہے، اگران کی محبت دل میں ہوگی تو ان شاء اللہ خاتمہ کبھی خراب نہ ہوگا، اور دل میں اگر اللہ والوں سے بغض ہوا تو خاتمہ خراب ہونے کا بہت اندیشہ ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت ۳۱۹)

مقدمۃُ الواجب واجبٌ

حضرت تھانویؒ نے اپنے متعدد ملفوظات میں واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ صحبت اہل

اللہ فرض عین ہے، کیوں کہ دین پر چلنا اسی پر موقوف ہے، اور جس پر فرائض کی ادائیگی موقوف ہو وہ بھی فرض ہو جاتا ہے، آپ کے ایک ملفوظ میں ہے:

افسوس جتنی ضروری چیزیں ہیں آج کل ان سب سے ذہول اور غفلت ہے، چناں چہ آج کل بڑی ضرورت کی چیز صحبت ہے اہل اللہ اور خاصان حق کی، یہ صحبت میرے نزدیک اس زمانے میں فرض عین ہے، بڑے ہی خطرہ کا وقت ہے، جو چیز مشاہدہ سے ایمان کی حفاظت کا سبب ہو اس کے فرض عین ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، ایسی چیز کا اہتمام تو ابتداء ہی سے ہونا چاہئے، مگر لوگوں کو اس طرف سے بڑی غفلت ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت، ششم ۸۰)

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ایک قول نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

دیکھئے! اس سے معلوم ہوا کہ شریعت پر عمل کرنے کے لیے قلب میں اتباع شریعت کا داعیہ پیدا کرنا ضروری ہے، اور اس میں جو چیز مزاحم ہے، یعنی انسان کی ہویٰ (خواہشات) اور اس کا نفس، اس سے خلاصی لازم ہے، چوں کہ اس کا ذریعہ صحبت ہے اس لیے مقدمۃ الواجب واجب کے قاعدے سے اس کا ضروری ہونا بھی ثابت ہو گیا، اور حق تعالیٰ شانہ کے ارشاد ویزکیھم سے اس کا اشارہ نکلتا ہے۔ (تصوف اور نسبت صوفیہ ۳۲)

اس کے بعد حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ اپنی طرف سے لکھتے ہیں کہ دین کامل کی تحصیل کے لیے مشائخ اہل حق کی صحبت اور ان کی تربیت اور تزکیہ ناگزیر ہے، اور یہ مقصد محض مطالعہ کتب سے حاصل نہیں ہوسکتا، اگر ایسا ہوتا تو افضل الکتب یعنی کلام اللہ تنہا نازل فرما دیا جاتا۔

(تصوف اور نسبت صوفیہ)

پھر ایک صفحہ کے بعد شاہ ولی اللہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

سُنة الله جرتْ بانّ الرجلَ لايفلح الارأى المُفلحين، كما ان الرجلَ لايتعلمُ الا بِصحبةِ العلماءِ، وعلى هذا القياسِ غير ذلك من الصناعاتِ (القول الجميل)

یعنی عادت الٰہی یوں جاری ہوئی ہے کہ مراد نہیں ملتی جب تک کسی مراد پانے والے کو نہ دیکھے، جیسے علم انسان کو نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے، اسی قیاس پر ہیں اور پیشے، جیسے آہنگری بدون صحبت آہنگر، یا نجاری بدون صحبت نجار کے نہیں آتی۔ (ایضا ۳۴)

اصلاح کا ایک ہی طریقہ

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

انسانی زندگی کی تکمیل انسانی زندگی سے ہوتی ہے۔ اللہ کا قانون ہے کہ انسانی زندگی کا چراغ انسانی زندگی کے چراغ سے روشن ہوا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا، نہ اس کے خلاف ہوا ہے اور نہ ہوگا، انسان ہی انسان کے لیے سب سے بہترین نمونہ ہے جس میں وہ اپنے ہر ہر عمل کو دیکھ سکتا ہے، وہ اپنے ہر ہر نقص کو جانچ سکتا ہے اور پھر اس کو پورا کرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔

(طالبان علوم نبوت کا مقام اوران کی ذمہ داریاں، اول ۱۹۲)

اور آگے فرماتے ہیں: عزیزو! جس طرح دنیا میں ہر چیز کا ایک نظام ہے، اسی طرح یہ بھی ایک نظام ہے، جان لو، انسان انسان سے بنتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو صحابہ کرام آج دنیا میں سب سے افضل نہ ہوتے، یہ صحبتِ رسول ہی کی کیمیا اثری ہے ورنہ متاخرین میں بھی بہت بڑے بڑے عباد وزہاد گزرے ہیں۔ (ایضا ۱۹۷)

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے، صحابہ سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین اور اسی طریقہ سے آخر دم تک دین اس طرح پھیلا ہے اور پہنچا ہے، جن کی زندگیاں تقویٰ کے

سانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں، جوکلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تقاضوں کو جاننے اور سمجھنے والے ہوتے ہیں، ان کی صحبت سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے، یہ کتابیں پڑھنے سے نہیں آتی، یہ محض تقریر سن لینے سے یا کر لینے سے نہیں آتی، یہ آتی ہے کسی اللہ والے کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے سے اس کا طرز عمل دیکھنے سے اس کی زندگی کی ادا کو پڑھنے سے اوراس طرح دین کا یہ رنگ انسان کے اندر منتقل ہوتا ہےاور جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کتابیں پڑھ کر دین حاصل کرلوں گا تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔(اصلاحی خطبات ۱۴/ ۱۱۲)

مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے ہیں:

یاد رکھئے! علم اور چیز ہے، تربیت اور چیز ہے، امراض روحانی کا فقط ایک علاج ہے، اور وہ اللہ والوں کی صحبت ہے، ان کی صحبت میں اللہ کے پاک نام کی برکت سے اللہ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں، میں کیا عرض کروں، ان کے جوتوں کی خاک کے ذروں میں وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ملتے، بشرطیکہ عقیدت، ادب اور اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔(حصول ولایت اور محبت الٰہی کے ذرائع ۹۲)

یہی ایک آئینہ ہے

مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

انسان انسان کی صحبت سے بنا ہےاور اسی سے بنے گا، یہی ایک آئینہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنادیا ہے، دنیا کا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھاسکتا ہے، انسان کی ہم نشینی سے اخلاق رذیلہ کا ذہول ہوتا ہے، اور ایک عزم پیدا ہوتا ہے، آپ سے نماز میں سستی ہوتی ہے لیکن آپ ایک ایسے آدمی کے ساتھ رہیں جو کڑاکے کی سردی میں تہجد کی نفلیں نہیں چھوڑتا، وہ برابر اسی سردی میں وضو کرتا ہے، نماز عشاء وفجر باجماعت ادا کرتا ہے، اس کے علاوہ نفلوں اور سنن میں ہر وقت مشغول رہتا

ہے، تو آپ سے کیسے ہوگا کہ آپ دوپہر کے وقت ظہر کی نماز بھی نہ پڑھ سکیں؟۔ان کے پاس بیٹھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کس چیز کا نام ہے، اور اسلام کس کو کہتے ہیں، اگر آپ ان کی نمازوں پر غور کریں تو آپ کہہ اٹھیں گے کہ خدا کی قسم! اگر ہماری نماز نماز ہے، تو ان کی نماز نماز نہیں بلکہ کچھ اور ہے، اور اگر ان کی نماز نماز ہے تو خدا کی قسم ہماری نماز نماز نہیں ہوسکتی، ان کے یہاں دشمن کے ساتھ محبت ہے، وہ قاتل کو سینے سے لگاتے ہیں، جو ان کے پاس قتل کے ارادے سے آئے، وہ اس کو دوست بنا لیتے ہیں، جو ان کی عیب جوئی کرے، اس کو اپنا محسن مانتے ہیں، اور اپنی برائیوں پر غور کرتے ہیں، جو ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں، جو شخص ان کے پاس سے گزر جائے خواہ وہ سینے میں ان کی عداوت لیے ہو، خواہ ان کی برائی کرتا پھر رہا ہو، خواہ وہ ان کے قتل کے ارادے سے آیا ہو، وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اور اس کا گزرنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہوتا ہے، اسے کچھ نہ کچھ حاصل ہوجاتا ہے۔

(طالبان علوم نبوت کا مقام اوران کی ذمہ داریاں، اول ۱۹۴)

نفلی عبادتوں سے افضل ہے

حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حکیم الامت تھانویؒ سے مفتی محمد شفیع صاحب نے سوال کیا تھا کہ حضرت! یہ جو شعر ہے کہ:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء		بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اللہ والوں کی صحبت سو برس کی اخلاص والی عبادت سے افضل ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ کو تعجب کیوں ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کو مبالغہ سمجھتے ہیں حالاں کہ شاعر نے یہ کم بیان کیا ہے۔اللہ والوں کی صحبت کی ایک ساعت ایک لاکھ سال کی عبادت سے افضل ہے۔یہ بات مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے صاحب زادے مولانا

مفتی محمد تقی عثمانی نے مجھے ملتان میں سنائی اور اب میں آپ کو سنا رہا ہوں۔ تو حکیم الامت میں اور مجھ میں صرف دو راوی ہیں اور دونوں ثقہ ہیں، حضرت مفتی شفیع صاحب اور ان کے بیٹے مولانا تقی عثمانی صاحب۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد ۱۸۰)

ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مثنوی پڑھا رہے تھے، کسی نے پوچھا کہ مولانا رومی شمس الدین تبریزی پر کیوں فدا ہو گئے؟ حاجی صاحب نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ مولانا رومیؒ اپنے پیر شمس الدین تبریزی پر اس لیے عاشق ہوئے کہ سو برس کے تہجد اور ذکر اور فکر سے جس مقام پر پہنچتے شمس الدین تبریزی کی صحبت کی برکت سے چند ساعت میں اس مقام پر فائز ہو گئے۔ (ایضا ۱۱۹)

ہمارے بزرگوں نے اپنی نفلی عبادت کا اتنا اہتمام نہیں کیا جتنا اہل اللہ کے پاس بیٹھنے کا اہتمام کیا۔ (ایضا ۱۵۵)

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کا قول پہلے گذر چکا کہ اللہ والوں کی صحبت افضل ترین عبادت ہے۔

نور نبوت کا پتہ

حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں: آپ اپنے اکابر کی تاریخ دیکھ لیجئے کہ جو بھی ولی اللہ بنے ہیں کسی ولی کی صحبت سے بنے ہیں، اگر شاذ نادر کوئی واقعہ ہو تو اس میں بھی کسی ولی کی غائبانہ توجہ ہوئی ہے، ورنہ دستور یہی ہے کہ جو بھی ولی ہوا کسی ولی کی صحبت سے ہوا، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جو کسی اللہ کے ولی سے دوستی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے قلوب کو ہر وقت لطف و کرم سے دیکھتے ہیں ان اللہ تعالیٰ ینظر الی قلوب اولیائہ جن جن کی محبت ان کے دلوں میں ہوتی ہے ینظر الیھم باللطف والکرم اللہ کا کرم ان پر بھی ہو جاتا ہے، اس لیے

آہستہ آہستہ وہ بھی ولی اللہ ہوجاتا ہے، جس کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ (مواعظ دردمحبت ۱۶)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی کتاب ''مالا بدمنہ'' میں لکھتے ہیں:

نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست، و بداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد.

''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور باطن کو درویشوں (صوفیائے کرام) کے سینے سے تلاش کرنا چاہیے، اور اس نور سے اپنے سینے کو روشن کرنا چاہیے''۔ (تصوف اور نسبت صوفیہ ۱۱۲)

دوائے دل

اہل اللہ کی صحبت میں درد دل کی دوا ملتی ہے، اسی لیے اہل نظر کے لیے ان صحبتوں میں کشش اور جاذبیت ہوتی ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

امام احمد علم وفن میں کسی سے کم نہ تھے، لیکن وہ اپنے شیخ کے پاس جاتے تھے، اور نہایت ادب سے بیٹھتے تھے، حالانکہ علم وفن میں ان سے کم ہی تھے، ان کے احباب اور ساتھیوں نے کہا کہ آپ فلاں کے پاس کیوں بیٹھتے ہیں، اس سے ہم لوگوں کو غیرت ہوتی ہے، تو انہوں نے کہا: یَجْلِسُ الْانْسَانُ حَیْثُ یَجِدُ دَوَاءَ قَلْبِهِ، انسان جہاں دل کے درد کی دوا پاتا ہے وہیں جاتا ہے۔ (طالبان علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں، اول ۱۹۶)

صاحب حال علماء ربانیین کے بارے میں حضرت میمونؒ فرماتے ہیں:

الْعُلَمَاءُ هُمْ ضَالَّتِي فِي كُلِّ بَلْدَةٍ، وَهُمْ بُغْيَتِي، وَوَجَدْتُ صَلَاحَ قَلْبِي فِي مُجَالَسَةِ الْعُلَمَاء (حلية الأولياء) ''علمائے کرام میرا گم شدہ خزانہ ہیں ہر شہر میں، مجھے انہیں کی تلاش رہتی ہے، اور میں اپنے دل کی درستگی علماء کے پاس بیٹھنے میں پاتا ہوں''۔

اسلاف کا یہ قول مشہور ہے:

لَيْسَ شَيْءٌ اَنْفَعَ لِلْقَلْبِ مِنْ مُخَالَطَةِ الصَّالِحِيْنَ وَالنَّظْرِ اِلٰى اَفْعَالِهِمْ، وَلَيْسَ

شَیْءٌ اَضَرَّ عَلَی الْقَلْبِ مِنْ مُخَالَطَةِ الْفَاسِقِیْنَ وَالنَّظْرِ اِلٰی اَفْعَالِهِمْ

’’نیکوں کی صحبت اور ان کے افعال پر نگاہ رکھنے سے زیادہ نفع بخش چیز دل کے لیے کچھ نہیں ہے، اور بروں کی صحبت اور ان کے افعال کو دیکھنے سے زیادہ مضر چیز دل کے لیے کچھ نہیں ہے‘‘۔ (اسلام میں عفت وعصمت کا مقام ۷۲)

فیض صحبت کی مثال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین کے پاک ہونے کی دو صورتیں ہیں (۱) اتنی بارش برسے کہ گندگی کو بہالے جائے (۲) اتنا سورج چمکے کہ نجاست کو جلا کر مٹادے، اسی طرح قلب کی زمین ناپاک ہوجائے تو اس کی پاکی کے لیے بھی دو چیزیں ہیں، (۱) ذکر الٰہی، جس کی مثال بارش کی سی ہے (۲) شیخ کامل کی صحبت، جس کی مثال سورج کی سی ہے، ذکر سے دل صاف ہوتا ہے، اور شیخ کامل کی توجہات سے بھی۔ (تصوف وسلوک ۷۴)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے فیض صحبت کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ جب آئینہ کو سورج کے سامنے کیا جاتا ہے تو آئینہ خود بھی روشن ہوجاتا ہے اور جو چیز بھی آئینہ کے سامنے آئے گی وہ بھی روشن ہوجائے گی، بلکہ روئی سورج کے سامنے کرنے سے نہیں جلتی لیکن جب اس کو شیشے کے سامنے رکھا جاتا ہے تو وہ جل جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری، سورۂ یونس، ۶۳)

اقوال سلف

حضرت لقمان حکیمؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: یَا بُنَيَّ! جَالِسِ الصَّالِحِینَ مِنْ عِبَادِ الله، فَانك تُصِیبُ مِنْ مَحَاسِنِهِمْ خَیْرًا (الزهد لاحمد) (اے بیٹے! اللہ کے نیک بندوں کے پاس بیٹھا کر، اس لیے کہ تو ان کی اچھائیوں سے خیر پائے گا)۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں:

إنك أن تنقل الحجارة مع الأبرار خير من أن تأكل الخبيص مع الفجار (روضة العقلاء) ”تو نیک لوگوں کے ساتھ پتھر اٹھائے (یعنی مشقت برداشت کرے) یہ بہتر ہے اس سے کہ تو گنہگاروں کے ساتھ کھجور اور گھی کا حلوہ کھائے“۔

ابوالعباس بن عطاءؒ فرماتے ہیں:

ادن قلبك من مجالسة الذاكرين لعله يتنبه عن غفلته، واقم بشخصك فى خدمة الصالحين لعله يتعود طاعة رب العالمين (سير سلف الصالحين) ”اپنے دل کو ذکرین کی صحبت سے قریب کیجئے، امید ہے وہ غفلت سے باز آجائے، اور اپنی ذات کو صالحین کی خدمت میں لگادیجئے، شاید وہ رب العالمین کی اطاعت کی عادی ہوجائے“۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے: بدن کے قرب کا دلوں کے قرب پر بڑا اثر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا ہے۔ (تصوف کیا ہے؟ ٦٩)

مولانا منظور نعمانیؒ نے لکھتے ہیں کہ: واقعہ یہی ہے کہ اس عاجز کے نزدیک صحبت اور ذکر وفکر کا قلب پر اثر انداز ہونا کتاب وسنت سے اشارۃً ہی نہیں بلکہ صراحۃً بھی معلوم اور ثابت ہے۔ (تصوف کیا ہے؟ ۵۴)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بخاری شریف پڑھنے والوں سے فرمایا کہ آج بخاری شریف ختم ہوگئی، آج تم عالم ہوگئے، مگر بخاری شریف کی روح جب حاصل ہوگی جب چھ ماہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہوگے، پھر جوش میں فرمایا کہ اللہ والوں کی جوتیوں کی خاک کے ذرات بادشاہوں کے تاجوں کے موتیوں سے افضل ہیں۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت ۱۰۵)

حضرت مجدد الف ثانیؒ خواجہ میر نعمان کو نماز کے کچھ اسرار ومعارف لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ: اگر ان مکتوبات کے مطالعہ کے بعد تمہارے دل میں نماز سیکھنے اور اس کے

مخصوص کمالات حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جائے، اور تمہیں بے چین کردے، تو استخارہ کرنے کے بعد اِدھر کا رخ کرو، اور یہاں (میرے پاس) آکر اپنی عمر کا کچھ حصہ نماز کی تکمیل میں صرف کرو۔ (نماز کے اسرار ورموز ۲۰۵)

معلوم ہوا کہ حضرت مجددؒ صاحب کے نزدیک نماز صحیح کرنے کے لیے صرف مکتوبات کا مطالعہ کافی نہیں ہیں، بلکہ صحبت کی ضرورت ہے۔

صحبت اولیاء میں ایسی مقناطیسیت ہوتی ہے کہ بس انسان کے دل کی دنیا لمحوں میں بدل جاتی ہے...... صحبت اولیاء سے دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے، اور اللہ رب العزت کی محبت دل میں بس جاتی ہے، محبت الٰہی کا دل میں بس جانا یہ کامیابی کی کنجی ہے....... اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھ کر من کی آنکھیں کھلتی ہے۔ (ماخوذ از خطبات فقیر ۱)

حضرت پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی اپنے شیخ کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ سبزی ملتی ہے سبزی والوں کے پاس، کپڑا ملتا ہے کپڑے والوں کے پاس لوہا ملتا ہے لوہے والوں کے پاس، اسی طرح اللہ ملتا ہے اللہ والوں کے پاس۔ (خطبات فقیر ۱/ ۱۳۴)

حضرت شیخ کا مضمون

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے ''فضائل اعمال'' میں اس کے لیے ایک مستقل فصل قائم کی ہے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اللہ والوں کی صحبت کے فضائل وفوائد بیان فرمائے ہیں، اس میں سے بعض حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

اس فصل میں ناظرین کی خدمات عالیہ میں ایک اہم درخواست ہے، وہ یہ کہ اکثر اللہ والوں کے ساتھ ارتباط، ان کی خدمت میں کثرت سے حاضری دینی امور میں تقویت اور خیر و برکت کا سبب ہوتی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: اَلَا اُدُلُّكَ عَلٰی مِلَاكِ هٰذَا الْأَمْرِ

الَّذِي تُصِيبُ بِهِ خَيْرَ الدُّنيَا وَالاخِرَةِ؟ عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ أهلِ الذِّكرِ .(کیا تجھے دین کی نہایت تقویت دینے والی چیز نہ بتاؤں جس سے تو دین ودنیا دونوں کی فلاح کو پہنچے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والوں کی مجلس ہے، اور جب تو تنہا ہوا کرے تو اپنے کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے رطب اللسان رکھا کر)۔

اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ، اہل اللہ کون لوگ ہیں؟ اہل اللہ کی پہچان اتباعِ سنت ہے، کہ حق سبحانہ وتقدس نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کی ہدایت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے، اور اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿قُلْ إنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ، وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو مُعاف کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔(بیان القرآن)

لہٰذا جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل متبع ہو وہ حقیقتاً اللہ والا ہے، اور جو شخص اتباع سنت سے جس قدر دور ہو وہ قربِ الٰہی سے اِسی قدر دور ہے۔

بالجملہ اس تحقیق کے بعد کہ یہ شخص اللہ والوں میں سے ہے اس کے ساتھ ربط کا بڑھانا، اس کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہونا، اس کے علوم سے منتفع ہونا دین کی ترقی کا سبب ہے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر بھی ہے۔ایک حدیث میں ارشادِ عالی ہے کہ: جب تم جنت کے باغوں میں گذرا کرو تو کچھ حاصل بھی کرلیا کرو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! جنت کے باغ کیا چیز ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: علمی مجالس۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ: بہترین ہم نشیں ہم لوگوں کے واسطے کون شخص ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس کے دیکھنے سے اللہ

کی یاد پیدا ہو، جس کی بات سے علم میں ترقی ہو، جس کے عمل سے آخرت یاد آ جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔

خود حق سبحانہ و تقدس کا ارشاد ہے: ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (بیان القرآن)

مفسرین نے لکھا ہے کہ سچوں سے مراد اِس جگہ مشائخ صوفیہ ہیں، جب کوئی شخص ان کی چوکھٹ کے خدام میں داخل ہوجاتا ہے (یعنی ان کی صحبت اور ماتحتی میں رہتا ہے) تو ان کی تربیت اور قوت ولایت کی بہ دولت بڑے بڑے مراتب تک ترقی کر جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہو تو ملائکہ اس کو گھیر لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے، اور حق سبحانہ وتقدس اپنی پاک مجلس میں ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ ایک دل ربودہ (عاشق) کے واسطے اِس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ محبوب کی مجلس میں اُس کا ذکر ہو؟۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والی جماعت کے لوگوں کو- جو اخلاص سے اللہ کو یاد کر رہے ہوں- ایک پُکارنے والا آواز دیتا ہے کہ اللہ نے تمہاری مغفرت کر دی اور تمہاری بُرائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔

حضرت داؤدؑ کی دعا ہے کہ یا اللہ! اگر تو مجھے ذاکرین کی مجلس سے گذر کر غافلین کی مجلس میں جاتا ہوا دیکھے تو میرے پاؤں توڑ دے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک ایسی چمکتی ہیں جیسے کہ زمین والوں کے نزدیک ستارے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: تم لوگ یہاں بیٹھے ہو

اور مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہورہی ہے، لوگ دوڑے ہوئے آئے، وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہورہا تھا، واپس جاکر عرض کیا کہ: وہاں تو کچھ بھی نہیں، ابو ہریرہؓ نے پوچھا کہ: آخر کیا ہورہا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ: چند لوگ اللہ کے ذکر میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت میں، انہوں نے کہا کہ: یہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ہے۔ امام غزالیؒ نے اس نوع کی روایات بہ کثرت ذکر فرمائی ہے۔

اِس سب سے بڑھ کر یہ کہ: خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حکم ہے ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه، وَلَاتَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَلَاتُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَه عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ، وَكَانَ أَمْرُه فُرُطاً﴾ (اور آپ اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجیے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اُس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں، اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پاویں، اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے، اور اُس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے)۔

متعدد روایات میں وارد ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کا اِس پر شکر ادا فرمایا کرتے تھے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کی مجلس میں اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مامور ہوں۔ (فضائل اعمال، حصہ فضائل تبلیغ، ساتویں فصل مع الاختصار)

فوائد صحبت از معارف مثنوی

مولانا جلال الدین رومیؒ کی شخصیت اور ان کی کتاب ''مثنوی'' کسی تعارف کی محتاج نہیں، اس کتاب کے نغموں سے صدیوں علمی ودینی مجلسیں گونجتی رہیں، اور آج بھی اس کا نام روشن اور فیض جاری ہے، اس کتاب میں مولانا رومی نے لوگوں کو اہل اللہ کی صحبت کی طرف

پرزور دعوت دی ہے، ان کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں، ترجمہ ''معارف مثنوی'' کا ہے:

صحبت مردانت از مرداں کند		نارِ خنداں باغ را خنداں کند

کاملین کی صحبت تجھے کامل بنادے گی اور انارِ خنداں پورے باغ کو خنداں کر دیتا ہے۔

راہِ سنت باجماعت خوش بُود		اسپ با اسپاں یقیں خوشتر رود

سنت کا راستہ جماعت کے ساتھ راحت اور عافیت سے طے ہوتا ہے جس طرح ایک نئے گھوڑے کو چال سکھانے کے لیے پرانے گھوڑوں کے ساتھ کر دیتے ہیں اور اس طرح بدون مار پیٹ کے وہ نیا گھوڑا آسانی سے اور جلد پرانے گھوڑوں کی خوش رفتاری کی مشق کر لیتا ہے۔

رو بجو یارِ خدائی را تو زود		چوں چنیں کردی خدا یارِ تو بود

جاؤ کسی اللہ والے کو ڈھونڈ لو اور اگر اس سے دوستی تم نے کر لی تو اس کی غلامی کے صدقے میں تم بھی خدا کے یار ہو جاؤ گے۔

ہمنشین مقبلاں چوں کیمیاست		چوں نظر شاں کیمیائے خود کجاست

مقبول بندوں کی صحبت مثل کیمیا ہے کہ فرشی کو عرشی بنا دیتی ہے یعنی مجرمین کو اللہ والا بنا دیتی ہے اور جب ان کی نظر میں یہ کیمیا ہے تو ان کی ذاتِ گرامی خود کس قدر بابرکت ہوگی۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء		بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ایک زمانہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر دین کی صحیح فہم حاصل کرنا بہتر ہے سو برس کی عبادتِ بے ریا سے۔

صحبت صالح ترا صالح کند		صحبت طالح ترا طالح کند

نیک انسان کی صحبت تجھے بھی نیک بنا دے گی اور بروں کی صحبت تجھے بھی بدکار بنا دے گی۔

ہرکہ باشد ہمنشین دوستاں		ہست در گلخن میانِ بوستاں

جو شخص کہ مقبول بندوں کی صحبت میں رہتا ہے اگر آتش کدہ میں بھی ہے تو وہ بھی اس کے حق میں باغ ہے۔

مہرِ پاکاں درمیانِ جاں نشاں		دل مدہ الاّ بمہر دل خوشاں

اللہ تعالیٰ کے پاک اور مقبول بندوں کی محبت کو جان کے اندر پیوست کرلو اور اپنا دل کسی کو مت دینا سوائے اُن کے جن کے دل خدا کی محبت سے اچھے ہو گئے ہیں۔

دل ترا در کوئے اہل دِل کُشَد		تن ترا در حبسِ آب و گل کشد

اے مخاطب! تیرا دل تجھے اہلِ دل کی مجلس کی طرف کھینچتا ہے مگر تیری خاک تن کے تقاضے (خواہشاتِ نفسانیہ) تجھے پانی اور کیچڑ (دنیائے حقیر) کی طرف کھینچتے ہیں۔

فقر خواہی آں بہ صحبت قائم ست		نہ زبانت کار می آید نہ دست

اگر باطنی دولت یعنی خاص تعلق مع اللہ حاصل کرنا ہے تو وہ صحبتِ کاملین ہی سے ملتی ہے نہ تیری زبان سے یہ کام ہوگا اور نہ ہاتھ سے۔

ناریاں مرناریاں را جاذب اند		نوریاں مرنوریاں را طالب اند

دوزخیوں کو دوزخی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور نورانیوں کو نورانی لوگ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

طیّبات آمد بسوئے طیبیں		للخبیثین الخبیثات ست ہیں

پاک عورتیں پاک مَردوں کو دی جاتی ہیں اور خبیث مَردوں کے لیے خبیث عورتیں مخصوص ہوتی ہیں۔

چوں کہ در یاراں رسی خامش نشین		اندراں حلقہ مکن خود رانگین

جب اللہ والوں کی مجلس میں حاضری ہو تو خاموش بیٹھو اور اپنے کو ان کی مجلس میں نگ کی طرح ممتاز مت کرو یعنی خود کو مٹا کر رکھو۔

گفت پیغمبر کہ در بحرِ ہموم		در دلالت داں تو یاراں را نجوم	

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بحرِ افکار میں فکر صحیح پر دلالت وہدایت کے لیے میرے اصحاب کو مثل نجوم سمجھو۔ (معارف مثنوی ۴۲۲)

پیری مریدی کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ظاہری علوم بھی عطا فرمائیں، اور اس کے ساتھ ایمانی کیفیات اور نورِ باطن بھی عطا فرمایا، گویا ایک ہی منبع سے دو چشمے جاری ہوئے، جن میں سے اب ایک چشمہ مدارس میں ابل رہا ہے، اور دوسرا خانقاہوں سے، مدارس سے اس بات کی سند ملتی ہے کہ اس کا علم واسطہ در واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ماخوذ ہے، اور خانقاہوں سے اس بات کی سند ملتی کہ اس کے اعمال واحوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موافق ہیں، اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطیع اور متبع ہے، اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ رقم طراز ہیں:

یہ فن (تصوف) نظری سے زیادہ عملی ہے، اس کے لیے ایسے کاملین کی ضرورت ہے جو اپنے حسن اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے اسوۂ نبوی ہو، جو اپنے اعمال، آداب، اخلاق، عادات اور اتباع اوامر ونواہی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نمونہ ہو، جن کی صحبت پرتوِ نبوی کا اثر ہو، اور جن کا سلسلۂ صحبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک صحبت تک منتہی ہو، جس کا اصطلاحی نام شجرہ ہے، جس طرح فن روایت میں اس کا نام سلسلہ ہے۔

اسی مفہوم کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ علم حدیث جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روایت کا سلسلہ ہے یہ سلوک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کا سلسلہ ہے، صحابۂ کرامؓ کا سارا فیض صحبت نبوی کی تاثیر کا نتیجہ تھا، ان کے بعد صحابہ کے فیض سے تابعین اٹھے، اور تابعین کے فیض صحبت سے تبع تابعین کا ظہور ہوا، یہ تین دور ایسے ہیں جن میں پچھلی جماعت اگلی

جماعت سے بحیثیت جماعت کے متاثر ہے، مگر ہر دور میں جماعت کم اور کیف یعنی تعداد اور حالت میں کم ہوتی گئی، تبع تابعین کے بعد جب فتنوں کا ظہور ہوا تو تعداد اور بھی کم ہوگئی۔

اب جماعت کی صحبت جماعت سے جاتی رہی، اور اشخاص کاملین کی صحبت سے اشخاص استعداد کے پیدا ہونے کا سلسلہ ہوا، جس کا نام متاخرین نے ارادت یا پیری ومریدی رکھ دیا ہے، ورنہ قدماء اور سلف صالحین کی اصطلاح صحبت ہی کی تھی، مرید کو صاحب یعنی صحبت یافتہ کہتے تھے، جیسے امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کو صاحب امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں، اسی طرح حضرت شبلیؒ وجنیدؒ کے مرید بھی صحبت یافتہ کہلاتے تھے، جیسے یوں کہتے تھے کہ فلاں شخص نے شبلیؒ کی صحبت اٹھائی ہے، یا جنیدؒ کی صحبت اٹھائی ہے (مکاتبتِ سلیمان ۱۶۴)

معلوم ہوا کہ پیری مریدی کی روح صحبت وتعلق ہے، چناں چہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: بیعت کی اصلی بڑی ضرورت یہی رفاقت یا پیر کی صحبت وتعلق ہے۔ (شریعت وطریقت ص ۷۴)

صحابہؓ نے صحبت ہی سے سب کچھ پایا

صحابہ کرامؓ نے جو دینی کمالات حاصل کئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک صحبت سے حاصل کئے، ان کے عظیم مراتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کا نتیجہ ہیں، حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

صحابہ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اس امت میں صحابہ سے بڑھ کر کوئی مقدس نہیں، کوئی ولی قطب بن جائے م غوث بن جائے، مگر صحابیت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا، صحابہ کی جو شان ہے وہ کسی کی نہیں بن سکتی، وہ اس وجہ سے کہ انہوں نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت پائی، دوسروں کو یہ شرف میسر نہیں، تو سب سے بڑی بنیادی چیز جس سے اخلاق درست ہوتے ہیں وہ فیض صحبت ہے۔ (خطبات حکیم الاسلامؒ ۳/۷۷)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا فرماتے ہیں:

صحابہؓ سب کے سب عالم نہ تھے (مگر ادنی سے ادنی صحابی کی فضیلت بھی اعلی سے اعلی محدثین وفقہاء اور بڑے بڑے اولیاء واقطاب پر مسلم ہے، اس فضیلت کا مدار محض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پر ہے) صرف صحبت سے پایا جو کچھ پایا۔ (شریعت وطریقت ص ۷۴)

یہی فیضِ صحبت منتقل ہوتا رہا

صحابۂ کرامؓ سے ان کے بعد آنے والوں نے صحبت کا فیض پایا، اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا، اور بہت سے لوگوں نے صحبت کے فیوض وبرکات سے حقیقی ایمان کا مزہ چکھا، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں:

اسی طرح (صحبت کی برکت سے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہی نور یقین ومعرفت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا، پھر اس سے آگے مشائخ کے سلسلے چلے، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، ان سب کے ہاں سلوک کا دارومدار صحبت شیخ پر ہے، جتنی شیخ سے محبت ہوتی ہے اتنا ہی عرفان وعشق نصیب ہوتا ہے، اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی تو انبیاء کو نہ بھیجا جاتا، اور کتابیں براہ راست آسمانوں سے نازل کردی جاتیں۔ (سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ۳۲۸)

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

صرف کتاب انسان کو کسی دینی رنگ میں ڈھالنے کے لیے کافی نہیں ہوتی، جب تک کہ کوئی معلم اور مربی اس کے ساتھ نہ ہو، اس واسطے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا اور انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام کو یہ مرتبہ حاصل ہوا۔ صحابہ کے کیا معنی ہیں صحابہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اٹھائی، انہوں نے جو کچھ حاصل کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے حاصل کیا، پھر اسی طرح تابعین نے صحابہ کی صحبت سے اور تبع تابعین نے تابعین کی صحبت سے

حاصل کیا۔ تو جو کچھ دین ہم تک پہنچا ہے وہ صحبت کے ذریعہ پہنچا ہے۔ (اصلاحی خطبات ۲۴۶/۳)

سلف صالحین کا معمول

سلف صالحین مدارس میں علوم دینیہ سے فراغت کے بعد اپنے تزکیہ کے لیے خانقاہوں میں جانے کی اور مشائخ کی صحبت میں رہنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے، اور مشائخ کی صحبت کو کمال ایمان اور احسانی صفت کی تحصیل کے لیے لازم سمجھتے تھے، ان کے حالات وواقعات دیکھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ حضرات ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اور مشائخ کی صحبت میں معتد بہ مدت تک قیام فرماتے، اور جس طرح علم دین کے حصول میں محنت کی تھی، اسی طرح تزکیہ نفس میں بھی قوت فکر وعمل کو بہ روئے کار لاتے تھے، نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ جو کہ مادر زاد ولی تھے، بچپن ہی سے دینی مزاج ومذاق پایا تھا، نماز باجماعت کی پابندی بچپن ہی سے تھی، علم دین کا یہ عالم تھا کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ آپ کو فقیہ النفس کہتے تھے، ان سب ظاہری وباطنی کمالات کے باوجود آپؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی صحبت اختیار کی، اور آپ صحبت میں مستقل چالیس دن قیام فرمایا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام سے کون ناواقف ہوگا، آپ علم کا ایک بہتا ہوا دریا تھے، آپ کے سامنے کسی بھی فلسفی اور ملحد کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، مشکل سے مشکل اعتراض کا شافی جواب آپ کے یہاں مل جاتا تھا، اس کے علاوہ بچپن ہی سے نیک طبیعت پائی تھی، آپ کے بچپن کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ نے بچپن میں بھی کبھی تہجد قضا نہیں کی، اعلاء السنن کے مقدمہ میں حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ آپ بارہ سال کی عمر میں تہجد کے عادی ہو گئے تھے، بارہا ایسا ہوا کہ آپؒ کی چچی صاحبہ آدھی رات کو بیدار

ہوتیں تو دیکھتیں آپؒ نماز میں مشغول ہیں، وہ آپ پر شفقت کرتے ہوئے یہ کوشش کرتی تھیں کہ قیام لیل میں کچھ کمی کریں، لیکن چوں کہ آپ اس کے عادی اور دلدادہ ہو گئے تھے اس لیے ان کی بات کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے، اور اپنی نماز جاری رکھتے تھے (اعلاء السنن ۱)

خود حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: میرا بچپن تھا مگر الحمد للہ ایسے بزرگوں کی صحبت رہی کہ اس وقت بھی تہجد پڑھتا تھا، چاہے بارش ہو، رعد ہو، برق ہو، سب کچھ ہو مگر تہجد قضا نہ کرتا تھا، وعظ سننے کا شوق تھا، وعظ کہنے کا شوق تھا، یہ سب بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا۔ (ملفوظات ۵/۴۶)

ان سب کمالات کے باوجود جب علوم ظاہری کی تکمیل ہوگئی تو کچھ عرصے کے بعد آپ نے تقریباً ۶ ر مہینے حضرت حاجی صاحبؒ کی صحبت اختیار فرمائی۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے وہ کام کیا کہ آج پورے عالم میں اس کا فیض پہنچ رہا ہے، آپ نے ناامیدی کے عالم میں امید کی نئی صبح روشن فرمائی، آپ کی ہستی کو سمجھنے کے لیے بس یہی کافی ہے کہ اللہ نے آپ سے اتنا بڑا کام لیا کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کی ہدایت اور دین کی طرف رجوع کا ذریعہ بنا، آپؒ کی زندگی میں بھی اسی چیز کا اثر تھا جو دیگر اولیاء کی زندگی میں اثر انداز ہوتی ہے، یعنی اللہ والوں کی صحبت، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

گنگوہ اس وقت صلحاء وفضلاء کا مرکز تھا، ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی صحبت ومجالس کی دولت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو شب وروز حاصل تھی، دینی جذبات کی پرورش، نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیاء اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا کی دینی اور روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا، انسان کی زندگی میں مقام وماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہوسکتا ہے مولانا محمد الیاس صاحبؒ وہ زمانہ گنگوہ میں گزرا، جب گنگوہ آئے تو دس گیارہ سال کے بچے تھے، جب ۱۳۲۳ھ

میں مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے، گویا دس برس کا عرصہ مولانا (گنگوہیؒ) کی صحبت میں گزرا۔ (حضرت مولانا محمد الیاسؒ اوران کی دینی دعوت ۵۳)

''انہیں بزرگوں کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ طبیعت میں وہ سکینت اور یکسوئی ومراقبہ کی ایک وہ کیفیت طاری رہتی جو عموماً کسی منتخب شخصیت کے ذریعہ بڑے کام سے پہلے ان کی زندگی کا وطیرہ ہوا کرتی ہے۔ (تزکیہ واحسان اوراکابرِ تبلیغ ۲۶)

بڑے بڑے مشاہیر علماء نے بھی اللہ والوں کی صحبت سے فیض حاصل کیا، سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو ہم ریاء کے باریک نکتوں سے کبھی واقف نہ ہو سکتے، خود امام اعظم ابو حنیفہؒ حضرت جعفر صادقؒ کی صحبت میں رہے جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں پانچویں نمبر پر آتے ہیں، اوراس کے بارے میں فرمایا **لو لا السنتان لھلک النعمان** اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا، امام غزالیؒ خود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں نے خواجہ بوعلی فارمدیؒ سے ظاہری تربیت بھی پائی، اور طریقۂ نقشبندیہ کے کمالات بھی حاصل کئے، امام احمد بن حنبلؒ حضرت بشر حافیؒ کی صحبت میں جایا کرتے تھے، کسی نے کہا، حضرت! آپ تو اتنے بڑے عالم ہیں، آپ ایک خرقہ پوش آدمی کے پاس کیوں جاتے ہی؟ فرمایا: میں عالم بکتاب اللہ ہوں، اور وہ عالم باللہ ہیں، اس لیے میں ان کی خدمت حاضر ہوتا ہوں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ردالمحتار'' جس کو شامی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اللہ نے اس کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ آج کوئی مفتی ایسا نہیں ہے جو فتوی دینے میں اس کا سہارا نہ لیتا ہو، وہ تمام دارالافتاء کی زینت بنی ہوئی ہے، اس کے مؤلف علامہ ابن عابدین شامیؒ نے مولانا خالد کردیؒ کی صحبت سے فیض اٹھایا۔

تفسیر قرآن میں ''روح المعانی'' کا مقام اہل علم سے مخفی نہیں، بہت ہی جامع اور بہت

سے علوم اپنے اندر لیے ہوئے ہے، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس کے بارے میں ''علوم القرآن'' میں لکھا ہے کہ اس کتاب کو سابقہ تفاسیر کا خلاصہ کہنا چاہئے، اور اب تفسیر قرآن کے سلسلے میں کوئی بھی کام اس کی مدد سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اس کے مصنف علامہ آلوسیؒ بھی مولانا خالد کردیؒ کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے جو کہ مفسر بھی تھے، محدث بھی تھے، فقیہ بھی تھے، اور وقت کے قاضی بھی تھے، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ نے سید احمد شہیدؒ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ اور سید احمد شہیدؒ شاہ عبدالعزیزؒ کی صحبت میں ایک مدت رہے۔

سید سلیمان ندویؒ ماضی قریب کے بہت ہی بڑے عالم گذرے ہیں، ہر طرف سے ان کی واہ واہ ہوتی تھی، جن کے سامنے بڑے بڑے جبال علم مور ناتواں نظر آتے تھے، لیکن ان تمام کمالات کے باوجود حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کسی نے کہا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہوکر حضرت کی صحبت میں کیوں گئے، آپ نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں جاکر اپنی جہالت کا اندازہ ہوا۔ (ماخوذ از خطبات فقیر جلد ۱۳ اور ۱۹)

علامہ سید سلیمان صاحبؒ کے بارے لکھا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فیض صحبت سے سید صاحب کی زندگی میں اس قدر واضح انقلاب رونما ہوا کہ وہ ایک طرف دنیائے علم سے دنیائے معرفت کی طرف آ گئے، اس زمانے کی کیفیات کا اندازہ سید صاحب کے اپنے مکاتیب وغیرہ سے ہوتا ہے، سید صاحبؒ مولانا عبدالباری ندویؒ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ: دس بارہ برس سے جو چیزیں نظری طور پر سمجھ میں نہ آتی تھیں وہ عملاً سمجھ میں آ گئیں، اور اب تلافی مافات میں مصروف ہوں، اسی طرح مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو ایک مکتوب میں لکھا

ہے کہ: واہ واہ کا مزہ بہت اٹھا چکا ہوں، اور اب یہ رنگ اتر چکا، اب تو آہ آہ کا دور ہے، اور اپنی پچھلی تباہی پر ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے۔ (اکابر کا مقام تواضع ۲۴۸)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ ہر جمعہ کو دیوبند سے اپنے شیخ و مرشد حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک دن بے تکلف دوست نے کہا: مولانا! کیوں جاتے ہو، گنگوہ میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا:

لطف مئے تجھ سے کیا کہوں زاہد!		ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

(صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد ۳۱۵)

حضرت حکیم اختر صاحبؒ کا بیان ہے کہ درسِ نظامی کے بانی ملّا نظام الدین جنہوں نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کی، ان کو بادشاہ عالمگیرؒ نے فتاویٰ عالمگیری لکھنے کے لیے پانچ سو علماء کا افسر مقرر کیا تھا، پانچ سو علماء ان کے ماتحت تھے لیکن وہ خود جا کر بیعت ہوئے شاہ عبدالرزاق صاحب بانسویؒ سے، جن کا قرآن شریف بھی ختم نہیں ہوا تھا لیکن ان کو علمِ لدنی حاصل تھا۔ یہ واقعہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے سنایا تھا۔ ملّا نظام الدین صاحب کے ان سے بیعت ہونے پر لکھنؤ کے پانچ سو علماء نے مذاق اڑایا اور اعتراض کیا کہ حضرت! اتنے بڑے عالم ہو کر آپ ایک غیر عالم سے بیعت ہو گئے؟ تو فرمایا کہ آپ لوگ نہیں جانتے ہم کتاب اللہ جانتے ہیں وہ اللہ کو جانتے ہیں۔ لیکن علماء نہیں مانے تو حضرت نظام الدین شاہ عبدالرزاق صاحب کی خدمت میں گئے، اور عرض کیا کہ حضرت! لکھنؤ کے علماء مجھ پر اعتراض کر رہے ہیں۔ آپ میری عزت کے لیے تشریف لے چلیں، میں ان کو آپ کی تقریر سنواؤں گا تو حضرت دو رکعت پڑھ کر بہت روئے کہ یا اللہ! اتنے بڑے عالم کی عزت کا مسئلہ ہے لہٰذا مجھے بیان کرنے کی سعادت نصیب فرما دے، جس کا قرآن بھی ختم نہ ہوا ہو اور جو بالکل اُمی تھے لکھنؤ تشریف لے گئے، اسٹیج

پر بٹھایا گیا اور پانچ سو علماء کے محضر میں حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب نے تقریر شروع کی اور بخاری شریف کی حدیث بیان کی اور اس کے بعد منطق وفلسفہ کے مسائل اور شیخ بوعلی سینا کی تحقیقات بیان کرنا شروع کیں، اور پھر ایسے دقیق اور غامض مضامین بیان کیے کہ شروع شروع میں تو علماء کچھ کچھ سمجھے لیکن اس کے بعد بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تب حضرت نے جوش میں فرمایا کہ اے علمائے کرام! آپ لوگوں نے الف باء تاء چھوٹے چھوٹے حرفوں میں پڑھا ہے اور اپنے ہاتھ کو دراز کر کے فرمایا کہ ہم کو اللہ نے اتنے بڑے حروف میں پڑھایا ہے، افسوس! لوگ اللہ والوں کو نہیں پہچانتے کہ ان کا کیا مقام ہے اور ان کی صحبت سے کیا ملتا ہے۔ جس کو کسی اللہ والے کی صحبت مل جائے اس پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اور چاہے وہ بڑا عالم بھی نہ ہو لیکن اس سے لوگوں کو نفع زیادہ ہوگا۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت ۲۱۲)

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

یہ درس نظامی جو آج ساری دنیا میں سکہ کی طرح چل رہا ہے، ملا نظام الدین فرنگی محلی کا مرتب کیا ہوا ہے، جو استاذ الہند اور استاذ العلماء تھے، وہ بایں علم وفضل اودھ کے ایک قصبہ بانسہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قادریؒ کے مرید تھے، جو اودھ کی پوربی زبان بولتے تھے، اور انھوں نے کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں، ملا صاحب نے حضرت کے ملفوظات بھی لکھے ہیں، اور بڑی محبت وعقیدت سے ان کا نام لیتے ہیں، اس لیے کہ ان کو اپنے سارے علم وفضل کے باوجود اپنے اندر ایک خلا محسوس ہوتا تھا جو وہاں جا کر پُر ہوتا تھا، وہ سب کے استاد تھے، لیکن ان کو ایسے آدمی کی تلاش تھی جہاں جا کر یہ معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں اور ابھی سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ۔ جن میں سے اول

الذکر کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ''شیخ الاسلام'' اور ثانی الذکر کو ''حجۃ الاسلام'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں- حضرت سید احمد شہیدؒ کے دست گرفتہ اور ان کے دامن سے وابستہ تھے، جن کی تعلیم کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی، دیوبند کے بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ جب سید صاحب یہاں تشریف لائے تو دونوں بزرگوں کا حال یہ تھا کہ سید صاحب آرام فرماتے ہوتے تھے، اور دونوں حضرات چارپائی کے دائیں بائیں بیٹھے ہوتے، جب سید صاحب بیدار ہوتے اور کچھ فرماتے تو یہ حضرات دیر تک اس کا مذاکرہ کرتے اور لطف لیتے۔ (طالبانِ علوم نبوت کا مقام ۲/۳۵)

فلاح دونوں کی یکجائی میں ہے

علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں جن بزرگوں کے فیض پہنچے اور پھیلے، وہ وہی تھے جو ان دونوں (تعلیم وتزکیہ) کے جامع تھے، امام غزالیؒ جن سے علم معقول ومنقول نے جلوہ پایا علم حقیقت نے بھی انہیں کے ذریعہ ظہور پایا حضرت شیخ ابوالخبیب سہروردیؒ ایک طرف شیخ طریقت ہے تو دوسری طرف مدرسہ نظامیہ کے مدرس، حضرت شیخ عبدالقادرؒ امام وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں، یہاں تک وہ لوگ جن کو علماء ظاہر سمجھا جاتا تھا جیسے حضرات محدثین امام بخاریؒ، ابن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ وہ بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے، متوسطین میں علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کو ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے احوال وسوانح ان برکات باطنی سے لبریز ہیں، ابن قیمؒ کی ''مسالک السالکین'' وغیرہ کتابیں پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے۔

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کے کمالات کی جامعیت تھی، کہ وہ اسوۂ نبوت سے قریب تر

تھے، اس لیے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا، آسمان دلی کے مہر و ماہ اور تارے شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے لے کر شاہ اسماعیلؒ تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن والوں کے علوم کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہوگا، اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی، وہ علوم کی تدریس يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ کا جلوہ دکھاتے تھے، اور حجروں میں بیٹھ کر یزکیھم کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔

پھر ان کے بعد ان کے فیوض و برکات کے جو حامل ہوئے جن کی نشاندہی چنداں ضروری نہیں کہ وہ سِيْمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْد (سجدوں کے اثر سے ان کے نورانی چہرے کی ان کی نشاندہی کرتے ہیں) ان سے دنیا کو فیض پہنچا، اور دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیہ اور تصفیہ کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر و باطن کی اسی جامعیت کے ائینہ دار تھے، اور آئندہ بھی سنن الہیہ کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جن سے مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہیں گی۔

آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے، رات کے راہب ہی اسلام میں دن کے سپاہی ثابت ہوئے ہیں، سوانح و تراجم کا سیزدہ صد سالہ دفتر اس دعوے کا شاہد ہے، زبان کی روانی اور قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمود سے زیادہ نہیں، خواہ وہ اس وقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو، مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہوگا۔ (مقدمہ مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت)

ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: حضرات صحابۂ کرام اور امت کے دوسرے کاملین علم اور حال دونوں کے جامع تھے، جب اہل علم اور اہل حال میں تفریق ہوگئی، اسی وقت سے نقص اور خلل پیدا ہوگیا۔ (تصوف کیا ہے؟ ٩٩)

زمانہ پر اثر اور قبول عام

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لیے ان لوگوں کو قبول کیا ہے جو اپنے دل کی اصلاح کر چکے تھے، ان کے انفاس قدسیہ سے عالم میں ہدایت کی ہوائیں پھیلیں، اور ان کے نور باطن سے ہدایت کی شمع روشن ہوئی، آج بھی جو حضرات دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں اور اللہ کے دین کو زندہ کرنے میں اپنا کچھ حصہ لگانا چاہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کے بعد نفس کا تزکیہ کر کے پہلے خود کو کامل بنانے کی فکر کریں، پھر ان شاء اللہ ان سے ہدایت کی کرنیں عالم میں پھوٹیں گی۔ حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بزرگ مولانا محمد احمد صاحبؒ علماء کو ایسے اللہ والوں سے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب اپنے اس شعر میں دیتے ہیں:

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں

دستارِفضیلت پر جو علماء کو ناز ہے اگر ان کی یہ دستارِ فضیلت کسی اللہ والے کی دستارِ محبت میں گم ہو جائے یعنی اگر یہ کسی اللہ والے کی جوتیاں کچھ دن اُٹھالیں تو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد ۷۵)

مفتی شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے لکھا ہے کہ تاریخ میں ان ہی علماء کے علمی کارنامے، تصانیف وتالیف وغیرہ زندہ ہیں جو اہل اللہ سے وابستہ تھے، اور جو کسی اللہ والے سے وابستہ نہ ہوئے وہ کچھ دن تو چمکے اور پھر مع اپنی تصانیف کے ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں اے مولوی حضرات! اے علماء حضرات! مدرسوں سے نکل کر فوراً مسجد کے منبر پر مت بیٹھو، کچھ دن اللہ والوں کی صحبت میں رہ لو۔ اخلاص، احسان حاصل کرو، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ! تمہارا منبر، منبر ہوگا، جب دردِ دل عطا ہو جائے گا تو منبر تمہارا

ہوگا۔اشکبار آنکھوں سے،تڑپتے ہوئے دل سے تمہارا بیان ہوگا۔ان شاءاللہ! زلزلہ پیدا ہوجائے گا،تڑپوگے اور تڑپاؤگے،لیکن اگر دردِدل نہ ہوگا تو باتوں میں بھی اثر نہ ہوگا:

نہیں جب چوٹ ہی کھائی تو زخم دل دکھاؤں کیا
نہیں جب کیف ومستی دل میں تو پھر گنگناؤں کیا

شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ فرماتے تھے کہ جس عالم نے اللہ والوں کی صحبت نہیں اٹھائی اور ان کی صحبت میں رہ کر مجاہدہ نہیں کیا اس کی گفتگو میں بھی اثر نہیں ہوتا،جب یہ خودمست نہیں تو دوسروں کو کیا مست کرے گا؟ حضرت اس کی مثال دیتے تھے کہ کچا قیمہ پیس کر اس میں کباب کے سارے اجزاء ڈال دو اور ٹکیہ بنا کر رکھ دو اور لکھ دو کہ یہ شامی کباب ہے،مگر اسے مجاہدہ سے نہیں گزارا گیا اور آگ پر رکھ کر سرسوں کے تیل میں تلا نہیں گیا تو اس کی صورت تو شامی کباب کی سی ہوگی لیکن سیرت نہ ہوگی اور اس میں وہ خوشبو بھی نہیں آئے گی جو کباب میں ہوتی ہے اور جو کوئی کھائے گا تھوتھو کرے گا۔(ایضا ۱۴۲،۱۷۸،۱۸۱)

شمع محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے

ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ عوام بھی صرف اس عالم وداعی کو قبول کرتی تھی جو کسی اللہ والے سے وابستہ اور ان کا صحبت یافتہ ہو،حضرت مولانا علی میاں ندویؒ رقمطراز ہیں:

خواص تو خواص عوام بھی کسی عالم،معلم یا مصلح کے اس وقت تک قائل،اس کے عقیدت کیش اور اس کے خطاب وتفہیم سے منتفع نہیں ہوتے تھے،جب تک کہ وہ تصوف وسلوک کے کوچہ سے آشنا اور کسی مقبول ومستند سلسلہ سے وابستہ اور مشائخ کا صحبت یافتہ نہ ہو۔یوں بھی کسی نہ کسی درجہ میں تزکیۂ نفس،اخلاص ویقین اور دردوسوز کے بغیر(جو عموماً کثرت ذکر وصحبت کے بغیر حاصل نہیں

ہوتا) محض وفور علم اور زور تقریر سے کوئی حقیقی انقلاب برپا نہیں ہوتا، غرض یہ کہ اس عہد وماحول میں تصوف وسلوک اور قوت روحانی اور نور باطنی کے بغیر اصلاح وانقلاب کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہتھیاروں اور سپہ گری کی مشق وتربیت کے بغیر کوئی شخص میدان جنگ میں اتر آئے، اور کسی تربیت یافتہ اور مسلح فوج کا مقابلہ کرے، یا کوئی ایسا شخص جو قوت گویائی سے فطرتاً محروم ہو، تعلیم وتفہیم کا کام انجام دینا چاہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ۴/ ۱۴۳)

حضرت مولانا رائے پوریؒ نے مولانا منظور نعمانیؒ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

مولوی صاحب! تصوف دین کا کام چھڑانے کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے، اور جان پڑتی ہے، لیکن کیا عرض کیا جائے اللہ کی مشیت ہے، جن کو اللہ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے، حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ بھی ادھر دے دیں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے، حضرت خواجہ صاحبؒ نے، باوا صاحبؒ نے، اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ، حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمتیں انجام دیں، اور جو کچھ کر دکھایا جن کا سوواں اور ہزارواں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں نہیں کر سک رہی ہیں، اس میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو دخل تھا جو تصوف کے راستہ سے پیدا کی گئی تھی۔

(تصوف کیا ہے؟ ۲۲)

ہندوستان پر مشائخ کرام کا اثر

علم ظاہری اور تزکیہ باطن سے آراستہ حضرات ہر دور میں معاشرہ اور زمانہ پر اثر انداز ہوئے ہیں، اور دعوت وتذکیر اور اصلاح وانقلاب میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے اپنی کتاب تزکیہ واحسان میں مشائخ کی انقلابی کوششوں اور اصلاحی

محنتوں اور معاشرہ پر ان کے اچھے اثرات کے تاریخی حقائق آشکارا کئے ہیں، نمونہ ملاحظہ کیجئے:

ہندوستان میں مسلمانوں کے دور کا آغاز صوفیاء کرام ہی کی ذات سے ہوا، خاص طور پر خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے مخلص اور پر زور ہاتھوں سے یہاں چشتی سلسلہ کی مضبوط بنیاد پڑی، اس کے بعد سے خواص وعوام، شاہ ورعیت سبھی نے ان بے غرض اور پاک نفس درویشوں اور مردان خدا سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا، اور اس برعظیم کے ایک گوشہ سے لے کر دوسرے گوشہ تک خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کا ایک جال بچھ گیا، مرکزی شہروں کو چھوڑ کر مشکل سے کوئی قابل ذکر قصبہ یا مقام اس سے محروم نہ رہا۔

تسلسل کے ساتھ ان مشائخ کرام کے اثرات کا تذکرہ بہت دشوار ہے، اس کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، ہندوستان میں صحت مند صاحب ضمیر معاشرہ تعمیر کرنے میں ان بے لوث مصلحین اور معلمین اخلاق کا سب سے بڑا اور مرکزی حصہ ہے۔

ان روحانی معلمین کی ایک بڑی خدمت اور کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے مطلق العنان سلاطین اور جابر بادشاہوں کے غلط اور خطرناک رجحانات اور بے اعتدالیوں کا مقابلہ کیا، ان کے منہ پر کلمہ حق کہہ کر اوران سے اختلاف ظاہر کر کے حکومت اور معاشرہ کو بعض خطرناک نتائج اور تباہی سے بچالیا، ان کی تربیت اور عملی مثالوں نے لوگوں میں ہمت اور حوصلہ اور بے خوفی وشجاعت پیدا کی، ہندوستان کے اسلامی دور کی پوری تاریخ ان مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ ان مشائخ اوران کے خلفاء نے سر سے کفن باندھ کر اور اپنی زندگی سے ہاتھ دھوکر "افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر" (جابر بادشاہ کے مقابلہ میں حق بات کہنا افضل ترین جہاد ہے) پر عمل کیا۔

صوفیائے کرام نے سلطنت کے عہدوں، امراء اور اہل دولت کے گراں قدر پیش کشوں اور زمین وجائیداد کے قبول کرنے سے اکثر پرہیز کیا، اور زہد واستغناء، قناعت وتوکل اور

خودداری وخودشناسی کی ایسی روایت قائم رکھی، جس نے ہندوستان کے معاشرہ میں کردار کی مضبوطی، بلند ہمتی اور بلند نظری کے اوصاف اور عناصر کو زندہ رکھا، اور انسانیت کی آبرو کو سود و زیاں کے اس بازار میں جس میں انسانوں کا سودا ہوا کرتا تھا، ہمیشہ قائم ومحفوظ رکھا۔

ہندوستان کی تعلیمی تحریک اور یہاں کی علمی چہل پہل بالواسطہ اور بلاواسطہ مشائخ طریقت کی سرپرستی اور ہمت افزائی کا نتیجہ ہے۔

ان صوفیائے کرام کی تعلیم وصحبت سے لوگوں میں انسانوں سے بلاتفریق مذہب وملت و بلا تخصیص نسل ونسب محبت کرنے، ان کی خدمت کرنے اور ان کے درد اور دکھ کو دور کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا۔ (تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک)

صرف کتابی تعلیم ناکافی ہے

علم دین اور اور اس کو محفوظ کرنے والے کتابیں یقینا بڑی نعمت ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتابوں سے وہ چیز نہیں ملتی جو اللہ والوں کی صحبت میں ملتی ہے، کامل ایمان، دل کی صفائی، اللہ کے ساتھ قلبی تعلق اور ایمانی صفات حاصل کرنے کے لیے کتابیں کافی نہیں ہیں، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے، موٹی بات ہے کہ بڑھئی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتی کہ بسولہ بھی ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدے سے نہ اٹھایا جاسکے گا، بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا، بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کشش دیکھے ہرگز کوئی خوشنویس نہیں ہوسکتا، غرض بدون کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا۔ (شریعت وطریقت ص ٤٧)

اور ایک وعظ میں فرمایا: صحبت میں رہ کر ہی دین آتا ہے، میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں

سے دین نہیں آتا، ضابطہ کا دین تو کتابوں سے آسکتا ہے، مگر حقیقی دین بلا کسی کی جوتیاں سیدھی کئے بلکہ جوتیاں کھائے نہیں آتا، دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا، دین ان ہی نخروں سے آتا ہے، جس کا جی چاہے لے، اور جس کا جی چاہے نہ لے، اکبر ایک اچھے شاعر تھے ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے ان کا مصرعہ یہ ہے: دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔ (التبلیغ ۵، اوج قنوج ۸۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

دیدن کتابہائے شریعت مانند مراجعت کتب طب است۔ (تصوف اور نسبت صوفیہ)

''دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کرنا''، یعنی محض کتابیں پڑھنے سے کوئی طبیب اور علاج کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا، اسی طرح محض کتابیں پڑھ لینے سے کوئی دیندار نہیں بن سکتا۔

حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ بہت بلند مقام کے بزرگ ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنا دورۂ حدیث محدث اعظم حضرت انور شاہ کشمیریؒ سے کیا، جب حضرت نے بخاری شریف پڑھا دی تو اس کے بعد فرمایا کہ جتنی بار چاہو بخاری شریف ختم کرلو جب تک اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی نہ کروگے تم روحِ علم سے محروم رہوگے۔ (ماخوذ از خطبات فقیر ۴۱/۱۹)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اس وقت لوگ مطالعۂ کتب کو کمال سمجھتے ہیں، میں بقسم (قسم کھا کر) کہتا ہوں کہ کوئی کمال بغیر ماہر سے حاصل کئے نہیں آسکتا، اور ماہر سے حاصل کرنا موقوف ہے صحبت پر۔ دین کی اصلاح محض کتابیں دیکھ کر نہیں ہوسکتی، یہ صحبت ہی سے ہوسکتی ہے، لہذا کتابوں پر اکتفا کرنا سخت غلطی ہے، ہرگز کتابوں پر اکتفا نہ کیجئے، بلکہ صحبت اختیار کیجئے۔ (خطبات حکیم الامت ۲۱/ ۴۳۳، ۴۳۶)

کتابیں بغیر صحبت کے کافی نہیں ہے، لیکن صحبت بغیر کتابوں کے کافی ہے، یعنی اگر کسی

شخص نے کسی ولی کی صحبت اٹھائی تو دین میں اتنا کمال حاصل کرسکتا ہے کہ بغیر کتابوں کے وہ اللہ کا نیک اور صالح بندہ بن جائے، چناں چہ حضرت اقدس تھانویؒ کا ارشاد ہے:

میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر کسی کو کتابی علم نہ ہو اور محض صحبت ہو تو بقدر ضرورت کفایت ہوجاتی ہے، تو تعلیم والا تو صحبت سے مستغنی نہیں اور صحبت والا تعلیم کتابی سے مستغنی ہوسکتا ہے، یہ تو گفتگو تھی تعلیم کے موقوف ہونے میں صحبت پر، اب دوسرا جز تربیت جس کی ضرورت تعلیم سے بھی زیادہ ہے سو وہ بغیر صحبت کے کسی درجہ میں بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ (ایضا ۲۱/۴۴۶)

علم سے زیادہ صحبت صالح میں اصلاح کی تاثیر ہے، ایک آدمی نے بہت علم حاصل کیا لیکن کسی اللہ والے کی صحبت اختیار نہیں کی، اور دوسرے آدمی نے علم تو زیادہ نہیں سیکھا لیکن صالحین کی صحبت اختیار کی، ان دو شخصوں میں دینداری اور اللہ سے تعلق میں دوسرا شخص بڑھا ہوا ہوگا، حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ علم بھی بلا صحبت بیکار رہے، ''صاحب صحبت بلا علم'' کی اصلاح ''صاحب علم بلا صحبت'' سے زیادہ ہوتی ہے۔ (شریعت وطریقت ص ۴۷)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ذی علم لوگ (علماء) میرے پاس اصلاح کے لیے آتے ہیں، اور ان کے اخلاق وصفات اچھے نہیں ہوتے، اور وہ چاہتے ہیں کہ کچھ ذکر ومشاغل پوچھ کر چلے جاویں، لیکن میں بجائے ذکر وشغل سکھلانے کے ان کو وہاں رہنے کا مشورہ دیتا ہوں، اور وہ رہتے ہیں، چند روز تک اس مجمع میں رہنے سے کسی نہ کسی کی برکت سے ان کی حالت درست ہوجاتی ہے، اگر چہ وہ برکت کسی چھوٹے ہی کی ہو (حضرت تھانویؒ اپنی ذات کو مراد لے رہے ہیں، یعنی آپ کی برکت سے آپ کی صحبت میں رہنے والے علماء کی حالت درست ہوجاتی ہے)۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم چھ ماہ یا سال بھر تک ہمارے

پاس رہوتو یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، مگر پھر جب رہتے ہیں اور پہلی حالت میں تغیر شروع ہوتا ہے، تو ان کی سمجھ میں آتا ہے کہ واقعی اس کی ضرورت تھی۔ (خطبات ۲۱/ ۴۴۶)

آدمی کتنا ہی بڑا ذہین وفطین ہو، علوم وفنون میں ماہر ہو، لیکن دینی کمال حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ہے کہ کتنا ہی بڑا ذی استعداد ہو بدون صحبت شیخ کامل بصیرت نہیں ہوسکتی، ہاں بصیرت کے بعد پھر خواہ شیخ سے بھی بڑھ جائے یہ ممکن ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت ہفتم ۲۲۷)

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اسی بات کو بڑی قوت واعتماد کے ساتھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ چاہے کوئی کتنا ہی بڑا عالم ہو، اور کتنا ہی بڑا محقق ہو، بغیر کسی کامل یا کامل تر انسان کی صحبت کے اس کی زندگی کی ہرگز ہرگز تکمیل نہیں ہوسکتی، یہ کوئی غلط فہمی نہیں ہے، غلط فہمی زیادہ دن نہیں رہتی ہے، اسلام کے تیرہ سو برس سے یہ قانون خداوندی چلا آرہا ہے، اور اس کی مثالیں موجود ہیں، امام غزالیؒ جیسا آدمی جن کی تعلیم وتحقیق کے سامنے آج بھی یورپ کی گردنیں جھک جاتی ہیں، آج بھی یورپ ان کا لوہا مانتا ہے، ان کی کتابوں کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ وہ جب اپنے شیخ کی خدمت میں جن کا کوئی نام بھی نہیں جانتا ہے، شیخ ابوعلی فارمدیؒ جن کا نام آپ میں سے اکثر نہیں جانتے ہوں گے، لیکن ان کی صحبت سے امام غزالی کو کیا ملا؛

بلبل چہ گفت وگل چہ شنید صبا چہ کرد

اتنے بڑے فلسفی، اتنے بڑے متکلم اور محقق کو ایک گمنام شیخ کی خدمت میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن اسی شیخ کا اثر تھا کہ جب وہاں سے نکلے تو وہ چیز لے کر نکلے جس کے سامنے

حکومت کا بڑا سے بڑا عہدہ ہیچ تھا، بغداد کا مسند درس جس کے سامنے بغداد کی خلافت بالکل گرد تھی، اس کے ہر فیصلہ کے سامنے حکومت کو سرنگوں ہونا پڑتا تھا، اس کو ٹھوکر مار کر چلے، زبان گنگ ہوئی اور اعضاء معطل ہوگئے، حتیٰ کہ اطباء نے کہہ دیا کہ ان کو ایسی فکر ہے جس نے تمام قویٰ کو معطل کردیا ہے، تب امام غزالی، امام غزالی ہوئے، ورنہ بغداد میں عالموں، محققوں اور محدثوں کی کمی نہیں تھی۔ (طالبان علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں ۱۹۶)

حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ان اخلاق کو حاصل کرنے کے لیے محض کتاب پڑھ لینا کافی نہیں ہے، نہ محض وعظ سن لینا کافی ہوتا ہے۔ اس کے لیے کسی مربی اور کسی مصلح کی صحبت میں رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (اصلاحی خطبات ۲/ ۶۵)

اہل اللہ کی صحبت کے بغیر علم اور عمل میں مطابقت نہیں ہوتی، سب کچھ جانتے ہوئے کوتاہی اور غفلت غالب آجاتی ہے، مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں: عزیزو! یہاں قدم قدم پر درندے بیٹھے ہوئے ہیں، نفس پرستی، زر پرستی، جاہ پرستی اور نہ جانے کتنے کتنے فتنوں کے جال بچھے ہوئے ہیں، ہم نے دیکھا کہ کتنے لوگ علوم وفنون کے نامعلوم کتنے دریا عبور کرچکے ہیں، لیکن نفسانیت کی ایسی پستی میں مبتلا ہیں کہ خدا کی پناہ۔ (طالبان علوم نبوت کا مقام ۱/ ۱۹۷) حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ صحبت اہل اللہ حاصل کئے بغیر اخلاص کا مل جانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ (خطبات فقیر ۱۹/ ۴۲)

حضرت سفیان ثوریؒ کبار محدثین میں سے ہیں، اور بڑے اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، آپؒ نے ابو ہاشم زاہدؒ کی صحبت اختیار کی، اور فرمایا کہ میں برابر ریاکاری کرتا رہا، لیکن مجھے احساس بھی نہیں تھا کہ میرے اندر ریاکاری موجود ہے، لیکن جب ابو ہاشم زاہد کی صحبت میں رہا تب میں نے ان سے ریاکاری سے نجات حاصل کی، حضرت سفیان ثوریؒ کے الفاظ یہ ہیں:

مازلت أُرائی وانا لااشعرُ حتی جالستُ اباهاشم، فاخذت منه ترك الريـاء (صفة الصفوة)

علم کی حد سے پرے

علوم وفنون میں مہارت کے باوجود صحبت کی ضرورت کو مثال سے سمجھاتے ہوئے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

میں اس کی یہ مثال دیا کرتا ہوں جیسے ایک گلاب کا پھول ہے کسی بڑے سے بڑے فلسفی اور منطقی سے کہا جائے کہ تم اس گلاب کے پھولوں کی خوشبو کی ایسی جامع مانع تعریف کرو کہ اس کو چنبیلی کی خوشبو سے ممتاز کردے، گلاب کے پھولوں سے بھی خوشبو آرہی ہے، اور چنبیلی کے پھول سے بھی خوشبو آرہی ہے، اس کام کے لیے کسی بڑے سے بڑے فصیح اور بلیغ کو بلالو، کسی ادیب اور شاعر کو بلالو، اور اس سے کہو کہ گلاب اور چنبیلی کی خوشبو میں فرق بیان کرو، بتاؤ کوئی فرق بیان کرسکتا ہے، ہرگز نہیں، بس اس کے فرق کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ پوچھنے والے سے کہا جائے کہ اس گلاب کے پھولوں کو سونگھ لو، اور اس چنبیلی کے پھول کو سونگھ لو، سونگھنے کے بعد پتہ چل جائے گا کہ گلاب کی خوشبو کیسی ہوتی ہے، اور چنبیلی کی خوشبو کیسی ہوتی ہے، اس کے علاوہ دونوں کے درمیان فرق معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

ایک مثال اور سنئے! دیکھیں، آم بھی میٹھا ہوتا ہے، اور گڑ بھی میٹھا ہوتا ہے، گڑ کی مٹھاس کیسی ہے؟ اور آم کی مٹھاس کیسی ہے دونوں کی مٹھاس میں جو فرق ہے، وہ کسی بڑے سے بڑے فلسفی اور منطقی سے بیان کراؤ، ہرگز بیان نہیں کرسکتا، کیوں کہ دونوں کی مٹھاس کا جو فرق ہے وہ زبان سے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اس فرق کو جاننے کا یہ طریقہ ہے کہ اس پوچھنے والے سے کہا جائے کہ تو گڑ بھی کھا، اور آم بھی کھا، پھر پتہ چل جائے گا کہ آم کی مٹھاس کیسی ہوتی ہے، اور گڑ کی مٹھاس کیسی ہوتی ہے۔

بالکل اسی طرح انسان کے باطن کے جو فضائل ہیں، مثلاً تواضع ہے، اگر اس کی لفظوں میں کوئی مکمل تعریف بیان کرنا چاہے تو بہت مشکل ہے، لیکن جب کسی متواضع آدمی کو دیکھو گے اور اس کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کروگے، اور اس کی صحبت میں رہوگے، تو اس کے نتیجے میں وہ اوصاف تمہارے اندر بھی منتقل ہونے شروع ہوں جائیں گے، اس لیے تصوف اور سلوک میں شیخ کی صحبت اور اس کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، صرف باتیں کر لینے سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی، بلکہ کسی کے سامنے رگڑے کھانے سے اللہ تعالیٰ فضل فرما دیتے ہیں، اور یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ (اصلاحی مجالس ۱/۳۸)

ایک صاحب نے دیوبند میں حضرت تھانویؒ سے سوال کیا کہ آپ لوگ (مراد اس سے حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ اور دوسرے اکابر دیوبند سب تھے) بڑے علماء فضلاء ہیں، اور آپ سب جا کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے مرید ہوئے، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں کیا چیز تھی جس کے لیے آپ حضرات نے ان کی خدمت اختیار کی، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ: ہاں! ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو سب اقسام کی مٹھائیوں کے نام اور فہرست پوری یاد ہو، مگر چکھا ایک کو بھی نہ ہو، اور دوسرا کوئی ایسا شخص ہے جس نے سب مٹھائیاں کھائی ہیں مگر نام کسی کا یاد نہیں، تو ظاہر ہے کہ جو شخص مٹھائیاں کھا رہا ہے اس کو تو کوئی ضرورت نہیں کہ ان کے نام معلوم کرنے کے لیے کسی کے پاس جائے، مگر جس کو صرف نام اور الفاظ یاد ہوں وہ اس کا محتاج ہے کہ صاحب ذوق کی خدمت میں جائے، اور ان مٹھائیوں کا ذوق حاصل کرے۔ (ملفوظات)

علم کی حد پرے بندۂ مومن کے لیے	لذت شوق بھی ہے، نعمت دیدار بھی ہے

علمی مشغلہ پر اکتفا کرنا

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تدریس کی خدمت انجام دینے کو کافی سمجھا جاتا ہے، کسی اہل

اللہ سے تعلق قائم کرنے اوران کی صحبت رہنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی ،لیکن حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اب تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نرے پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت میں نہ رہے،اسی کو مولانا (رومی) فرماتے ہیں اور خوب فرمایا ہے:

گر ملک باشد سیہ ہستش ورق		بے عنایات حق وخاصان حق

''حق تعالیٰ اور خاصان حق کی عنایتوں کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہوتو اس کا نامۂ اعمال بھی سیاہ ہو''۔

(ملفوظات حکیم الامت،پنجم ۲ ۲۳)

''انفاس عیسی''میں لکھا ہے کہ حضرت تھانویؒ طلباء کو وصیت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: طلبا کو وصیت کرتا ہوں کہ نری درس وتدریس پر مغرور نہ ہوں اس کا کار آمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت وصحبت ونظرِ عنایت پر۔اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔

حضرت ہی کا یہ قول ہے کہ: کیسی ناانصافی کی بات ہے کہ جب دس برس علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کئے،تو کم ازکم دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو،اوراس کا یہی طریق ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہو۔(تجدید تصوف وسلوک ۳۸)

لکان اشرفُ خلقِ اللہِ ابلیس		لوکان فی العلم من دون التقی شرفٌ

''اگر تقویٰ کے بغیر صرف علم میں کوئی فضیلت ہوتی تو مخلوق خدا میں ابلیس سب سے افضل ہوتا''۔

زشیطاں ہیچ کس اعلیٰ نبودے		شرافت علم گر تقویٰ نبودے

حضرت حکیم اختر صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ کا صحبت یافتہ ایک عالم میرے پاس لاؤ،اور ایک عالم ایسا لاؤ جو اللہ والوں کا صحبت یافتہ نہ ہو،اور دونوں بہت بڑے عالم ہوں،مگر مجھے نہ بتایا جائے،اور مجھے پانچ منٹ کا وقت دیا جائے،میں

بتادوں گا کہ یہ عالم اللہ والوں کا تربیت یافتہ ہے، اور یہ عالم تربیت یافتہ نہیں ہے، میں دوران گفتگو اس کے انداز گفتگو سے، اس کے چہرے اور کندھوں کے نشیب وفراز سے اور الفاظ کے استعمال سے اور آنکھوں اور چہرے سے بتادوں گا کہ یہ شخص اللہ والوں کا صحبت یافتہ ہے یا نہیں۔ (صحبت شیخ کی اہمیت ۳۵)

علم سے زیادہ صحبت کا اہتمام

جو حضرات بھی اللہ کے ولی بنے ہیں، اور زندگی کو مکمل اللہ کی مرضی کے مطابق بنا کر گئے ہیں ان سب نے علم سے زیادہ صحبت کا اہتمام کیا، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا، اتنی توجہ علم کی طرف نہیں کی جتنی صحبت کی طرف کی۔

(شریعت وطریقت ص ۷۴)

بانئ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے ہیں جب حضرت گنگوہی کے خاص فیض یافتہ اور تعلیم یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کردیتے، اور کہتے تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو، اور ان کی باتیں سنو۔

(مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت)

مشاغل کو موقوف کرنا

صحبت اہل اللہ کے لیے اکثر دوسرے مشاغل مانع بنتے ہیں، کبھی دنیوی مشغولی میں آدمی ایسا مصروف ہوجاتا ہے کہ وہ وقت ہی نہیں نکال سکتا، یا دینی مشاغل میں مصروف ہونے کی وجہ سے صحبت اہل اللہ کے لیے وقت نکالنا ضروری نہیں سمجھتا، حالانکہ سب مشاغل کو موقوف کر کے وقت فارغ کرنا ضروری ہے، حضرت تھانویؒ اپنے ایک وعظ ''العلم و الخشیة'' میں فرماتے ہیں: اصل مقصود وہ علم ہے جس کے ساتھ قلب میں خشیت بھی پیدا ہو۔ اس کا حاصل کرنا بھی ہر

شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ مگر عادتاً یہ بدوں صحبت شیخ کے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیے قال وقیل کو کچھ دنوں کے لیے ترک کرنا اور کسی شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنا شرط ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں:

از قال وقیل مدرسہ حالے دلم گرفت	یک چند نیز خدمت معشوق می کنم

''مدرسہ کے قیل وقال سے اب میرا دل رنجیدہ ہوگیا، اب کچھ دنوں شیخ کامل کی خدمت کرتا ہوں''۔

قال را بگذار مرد حال شو	پیشِ مرد کاملے پامال شو

قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو، یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ۔

آپ ہی کا ارشاد ہے کہ: اصلاحِ نفس کے لیے رسمی علم سے قطع تعلق کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ سلوک وجذب کے لیے یک سوئی اور خلوت کی ضرورت ہے، اشتغال علمی کے ساتھ اس کا جمع ہونا دشوار ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں:

جو شخص پہلے سے دینی کام میں لگا ہوا ہو تو اس کے ساتھ بھی اصلاح کا کام ہوسکتا ہے، البتہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں کچھ مدت کے لیے یکسوئی کے ساتھ اسی طرف مشغول ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (تصوف کیا ہے؟ ۲۴)

ہماری کمزور اور کم ہمت طبائع یقیناً یکسوئی کی محتاج ہیں۔

فضائل اعمال میں حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ سید علی بن میمون مغربی کا قصہ مشہور ہے، کہ جب شیخ علوان حمویؒ – جو ایک متبحر اور مفتی اور مدرس تھے – سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور سید صاحب کی ان پر خصوصی توجہ ہوئی تو ان کو سارے مشاغل درس تدریس، فتویٰ وغیرہ سے روک دیا، اور سارا وقت ذکر میں مشغول کر دیا، عوام کا تو کام ہی اعتراض اور گالیاں دینا ہے، لوگوں نے بڑا شور مچایا، کہ شیخ کے منافع سے دنیا کو محروم کر دیا، اور شیخ کو ضائع کر دیا،

وغیرہ وغیرہ؛ کچھ دنوں بعد سید صاحب کو معلوم ہوا کہ شیخ کسی وقت کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، سید صاحبؒ نے اس کو بھی منع کر دیا، تو پھر تو پوچھنا ہی کیا؟ سید صاحبؒ پر زندیقی اور بددینی کا الزام لگنے لگا؛ لیکن چند ہی روز بعد شیخ پر ذکر کا اثر ہوگیا اور دل رنگ گیا تو سید صاحبؒ نے فرمایا کہ: اب تلاوت شروع کر دو، کلام پاک جو کھولا تو ہر ہر لفظ پر وہ وہ علوم ومعارف کھلے کہ پوچھنا ہی کیا ہے! سید صاحبؒ نے فرمایا کہ: میں نے خدانہ خواستہ تلاوت کو منع نہیں کیا تھا؛ بلکہ اِس چیز کو پیدا کرنا چاہتا تھا۔ (فضائل ذکر، باب دوم، فصل سوم)

پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی نے اپنے مواعظ میں ایسا ہی ایک واقعہ بیان کیا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مکہ مکرمہ میں تھے، ایک عالم تھے، وہ حکمت بھی جانتے تھے، حدیث بھی پڑھاتے تھے، اور نسخہ بھی لکھتے تھے، وہ حضرت کی خدمت میں دو سال حرم میں رہے، حرم کی برکتیں، شیخ کی موجودگی، دو سال کا وقت گذر گیا، حضرت نے بلا کر فرمایا: حکیم صاحب! میں آپ کے اندر کوئی فائدہ محسوس نہیں کر رہا ہوں، حکیم صاحب نے کہا: حضرت پھر میں کیا کروں؟ حضرت نے انہیں حضرت گنگوہیؒ کے پاس بھیجا، وہ طالب تھے، فوراً انتظام کیا، اور حرم کو چھوڑ کر فوراً گنگوہ آ گئے، حضرت گنگوہی سے اپنا سارا حال سنایا، حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ میرے پاس وقت گذارو، لیکن دو شرطیں ہیں (۱) نسخہ لکھنا چھوڑ دو (۲) حدیث پاک پڑھانا چھوڑ دو، انہوں نے قبول کرلیا، (حضرت حاجی صاحب کے منع نہ کرنے میں حکمت یہ تھی کہ آپ عالم اور حکیم نہیں تھے، اب اگر وہ منع کرتے تو مرید کے دل میں کھٹکا رہتا کہ وہ اس کی اہمیت سے ناواقف ہیں، اس لیے منع کرتے ہیں، اور حضرت گنگوہی عالم بھی تھے، اور حکیم بھی تھے، جب انہوں منع کیا تو شرح صدر حاصل ہوگیا کہ میرے لیے یہی بہتر ہے) انہوں نے حضرت گنگوہی کے کہنے کے مطابق چھوڑ دیا، ایک سال بھی نہیں گذرا تھے، ابھی چند مہینے گذارے تھے کہ اللہ

تعالیٰ نے ان کے دل کو منور کردیا، پھر واپس حرم گئے، اور واپس دونوں کام شروع کردیئے، مگر جو کام کا معیار اب تھا وہ پہلے نہیں تھا۔ (ماخوذ از بیان 24oct2011fajrbayan)

اسلاف میں ایسے واقعات کثرت سے ملیں گے کہ انہوں نے علمی مشاغل کو موقوف کرکے بزرگوں کی صحبت حاصل کی، امام غزالی، مولانا رومی، حضرت تھانویؒ وغیرہ حضرات انہیں میں سے ہیں۔

دنیوی مشاغل بھی اگر مانع ہوں تو ان کو کچھ مدت کے لیے ترک کرنا ضروری ہے، حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ سارے دنیا کے مفتی جس کاروبار کے جواز پر فتویٰ دیں کہ یہ بالکل جائز کاروبار ہے، یہ بزنس وتجارت بالکل جائز ہے، لیکن اگر وہ اتنا مشغول ہوجاتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں جانے کا اسے وقت نہیں ملتا۔ اتنا کماتا ہے کہ بزرگوں کے پاس کم آنا تو درکنار آنا ہی نہیں ہوتا ہے، تو میں ایسی تجارت کو حرام کہوں گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ جب بزرگوں کے پاس نہیں جائے گا تو آہستہ آہستہ اس کی دینی حالت کمزور ہوجائے گی۔ لہٰذا جس دنیا سے، پردیس کی جس مشغولیت سے وطن کی تعمیر خطرے میں پڑ جائے، بتاؤ وہ کیسے جائز ہوگی؟۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد)

دراصل انسان جس کام کو دل پر لے لیتا ہے اس کے لیے وقت نکالنا آسان ہوجاتا ہے، اور وقت نکالنے کی کوشش بھی کرتا ہے، اگر وقت نکالنا آسان نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ابھی اس کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں، سوچنے کی بات ہے کہ جسمانی امراض کا علاج کرنے کے لیے کوئی مشغلہ مانع نہیں بنتا، پھر روحانی امراض کا علاج کرنے کے لیے سارے مشاغل کیوں مانع بن جاتے ہیں، وجہ یہی ہے کہ روحانی امراض کے برے نتائج سے ہم بے خبر ہیں، دعوت وتبلیغ کے لیے الحمدللہ لوگ اپنی دنیوی مصروفیتوں کو چھوڑ کر چار ماہ کے لیے اللہ کے راستے

میں چلے جاتے ہیں، اسی طرح تعلیم وتدریس میں مشغول حضرات بھی ایک سال کی رخصت لے کر جماعت میں جاتے ہیں، اسی طرح اگراس کام کی بھی اہمیت اورضرورت سے ہم واقف ہوجائیں تو اس کے لیے بھی وقت نکالنا، اور مشاغل تو ترک کرنا آسان ہوجائے۔

مدارس کے باوجود خانقاہوں کی ضرورت

مدارس میں علوم نبوت کی تعلیم دی جاتی ہے، اور خانقاہوں میں اخلاق نبوت اورنور نبوت کی اشاعت ہوتی ہے، دونوں کی ضرورت ہے، کسی ایک سے دونوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: مدرسہ بمنزلۂ وضو کے ہے، اور خانقاہ بمنزلۂ نماز کے ہے، تو جو صوفی مدرسہ میں نہ جائے وہ ایسا ہے جیسے کوئی نماز بلا وضوٹر خائے، تو وہ صوفی نہ ہوگا بلکہ صافی ہوگا، وہ صافی جس سے برتن اور پتیلیاں صاف کیا کرتے ہیں (یعنی اس کی کوئی قدرو قیمت نہیں ہوگی) اور جو عالم مدرسے فارغ ہوکر خانقاہ میں نہ جائے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کرکے اسی پر قناعت کرلے اور نماز نہ پڑھے تو وہ اس کا مصداق ہے:

ایها القوم الذی فی المدرسة		کل ما حصلتموه وسوسة

اے مدرسہ والو! جو کچھ تم نے مدرسہ میں حاصل کیا ہے وہ وسوسہ ہے۔ (جواہر حکیم الامت ۲/۲۰۶)

حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو علم مدارس میں سکھلایا جاتا ہے، اور تربیت اخلاق خانقاہ میں ہوتی ہے، مدرسی ہونے کے ساتھ جب تک آدمی خانقاہی نہ بنے تکمیل نہیں ہوتی محض خانقاہ میں جائے گا تو آدمی وجدی بن جائے گا، اسے خانقاہ خوب وجد آئے گا،، اور کورا مدرس بنے گا تو نجدی بن جائے گا، تو اس راہ میں نہ وجدی ہونا کافی نہ نجدی ہونا کافی، نجد اور وجد دونوں کو آدمی جمع کرے تبھی کامل بنے گا، ایک طرف آدمی علم لے جس کے لیے مدرسہ جانا پڑے گا، اور ایک

طرف تربیت بھی لے، اس کے لیے خانقاہ میں جانا پڑے گا، بہرحال دونوں چیزوں کو جمع کرنا یہ محقق ہونے کی علامت ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ۵/۱۰۶)

حضرت عبداللہ بہلویؒ ہمارے فضل علی قریشیؒ کے خلیفہ بہت بلند مقام کے بزرگ ہیں، ان کا درس تفسیر بڑا معروف ہے، رمضان المبارک میں سینکڑوں علماء جو اپنے مدارس میں تفسیر پڑھاتے تھے ان کے تفسیر کا دورہ کرنے جاتے تھے، اللہ نے علماء میں اتنا مقبول بنایا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنا دورہ حدیث محدث اعظم حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے کیا، جب حضرت نے بخاری شریف پڑھا دی تو اس کے بعد فرمایا (طلباء کو مخاطب کر کے) کہ جتنی بار چاہو بخاری شریف ختم کرلو جب تک اللہ والوں کی جوتیاں سیدھی نہ کرو گے تم روح علم سے محروم رہو گے۔ (خطبات فقیر ۱۹/۴۲)

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں ختمِ بخاری شریف کے موقع پر فرمایا کہ اے طلبائے کرام! جاؤ کچھ دن کسی صاحبِ نسبت، صاحبِ تقویٰ کی صحبت میں رہ لو تاکہ ان کے صدقے میں تم بھی متقی بن جاؤ۔ پھر یہ شعر پڑھا:

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا

(صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد ۱۱۷)

ایسا سمجھنا چاہئے کہ خانقاہوں کے بغیر مدرسہ کا مفہوم ہی پورا نہیں ہوتا، پہلے دور میں خانقاہوں اور مدارس کا گہرا ربط تھا، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ’’پیشتر دوروں میں خانقاہ اور مدرسہ لازم وملزوم رہے‘‘۔ (تزکیہ واحسان ۱۰۵)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

اگر آپ نے ظاہری علوم کی تحصیل میں دس سال ختم کئے ہیں تو باطن کی درستی میں فی سال ایک ماہ ہی خرچ کردیجئے یعنی کم ازکم دس مہینے ہی کسی کامل کی خدمت میں صرف کیجئے، اور اس کے ارشاد کے مطابق چلیے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۷/۲ ۶۶)

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

میرے عزیزو! دوسری بات یہ ہے کہ علماء اسلام نے بلاشبہ اپنی تصنیفات میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا ہے، وہ آسمان سے تارے توڑ کر لائے ہیں، اور ان کو کتابوں میں بند کردیا ہے، اسلام کو یہ فخر ہے کہ اس امت میں ایسے لاتعداد علماء ومصنفین پیدا ہوئے ہیں جنھوں نے سمندروں کو کوزے میں بند کردیا ہے، مصنفین اسلام کی یہ ساری تحقیق وجستجو تسلیم، مگر قرآن و حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے میں اعلان کرتا ہوں کہ انسان کے سینے میں جو علوم وفنون موجود ہیں، ان کا ہزارواں حصہ بھی کتابوں میں نہیں آسکا ہے، میری یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ نے انسان کے ذہن، قلب اور دماغ میں جو کمالات ودیعت کیے ہیں، یہ سارے علوم وفنون ان کی ایک فیصدی بھی نمائندگی نہیں کرسکتے، اس لیے کہ جو کچھ ملا ہے وہ انسانوں سے ملا ہے، ہم نے اپنے سارے تجربات کا نچوڑ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور برابر تمہارے نصاب میں ضرورت کے مطابق ترمیم کرتے رہتے ہیں، اور ہمیں یہ اعتماد ہے کہ اس زمانہ میں بہتر سے بہتر جو نصاب ہوسکتا ہے وہ موجود ہے، لیکن سمجھ لو کہ تم کو جو کچھ انسان سے مل سکتا ہے وہ کتابوں سے نہیں، ایک صاحب فیض کی صحبت، صرف تھوڑی دیر کی صحبت وہ فیض پیدا کرسکتی ہے جو ان سارے کتب خانوں میں نہیں ہے، یہ تسلیم ہے کہ تم اپنے اپنے دماغوں میں علوم وفنون کا خزانہ جمع کرلو، لیکن یہ خزانہ کبھی الحاد وزندقہ کا سبب بھی بن سکتا ہے، اگر اس کے مصرف کو سمجھنا ہے تو یہ کسی انسان کی صحبت سے حاصل ہوگا، ہر چیز کو فائدہ مند بنانے والا اکسیر ذوق ہے، تم بہتر سے بہتر کتابیں

پڑھ سکتے ہو لیکن اس کا کیا علاج کہ تم پڑھتے ہو مگر تم میں کوئی اثر نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ تمھارے اندر وہ ذوق نہیں ہے، تم تاریخ میں نشیب وفراز دیکھتے ہو، کوئی امام غزالی ہے اور کسی کا ہم نام بھی نہیں جانتے، کوئی ابن تیمیہ ہے، اور ان کے زمانے میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو علم وفضل میں ان سے بڑے تھے، لیکن ان کا کوئی نام بھی نہیں جانتا، فرق معلومات کا نہیں ہے، نگاہ اور ذوق کا فرق ہے، وہی کتاب الٰہی (اور کسی کتاب کا نام کیا لوں) شیخ عبدالقادر جیلانی نے پڑھی اور وہی ان کے معاصروں نے، لیکن ان کی عظمت کا راز معلومات نہیں ہیں، وہ فرق فائدہ اٹھانے کی صلاحیت کا ہے، اور اثر و تاثر کا ہے جو ان کے اندر کتاب اللہ پڑھنے سے ہوتا ہے۔

میرے عزیزو! میں مانتا ہوں کہ تم نے بہت کچھ پڑھ لیا، تم نے تفسیر میں، فقہ میں یا حدیث میں مہارت حاصل کرلی، تقریر بھی سیکھ لی، تحریر کی بھی صلاحیت آگئی، لیکن وہ ذوق کہاں سے لاؤ گے جو قلب میں تاثر پیدا کردے اور تم کو تڑپا دے:

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا، تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

اصل چیز یہ ذوق ہے جس سے تم اچھے برے کو سمجھنے لگو، اور تم میں وہ اخلاص پیدا ہوجائے کہ تم ہر چیز کو اپنے مقصد کے تابع کرلو، اور یہ چیز صحبت سے حاصل ہوتی ہے، تم سمجھتے ہو کہ چند کتابوں کے پڑھنے سے یا درس میں شریک ہونے سے تم باکمال بن جاؤ گے، ایسا ہرگز نہیں، تم کو ایسے لوگوں کی صحبت کی ضرورت ہے جن کی ایک نظر سے تم بہت سی ایسی چیزوں سے واقف ہوجاؤ جو محض تجربہ کا نتیجہ ہیں۔ (طالبان علوم نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں ۲۳)

دعوت وتبلیغ بھی خانقاہوں کا بدل نہیں

دعوت وتبلیغ کا کام اپنی جگہ نہایت مفید اور اپنے دائرے میں بہت اہم ہے، لیکن اس کا

میدان اور ہے، خانقاہوں کا میدان اور ہے، کسی معاشرے میں تجارت کو بہت زیادہ فروغ مل جائے، اور بہت ترقی کر جائے، تب بھی ہسپتالوں کی ضرورت باقی رہے گی، تجارت کی ترقی سے امراض کا علاج نہیں ہوتا، اسی طرح دعوت وتبلیغ سے خانقاہوں کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ مدارس سے تعلیم یافتہ تھے، اور دعوت وتبلیغ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا، لیکن پھر بھی خانقاہوں کی ضرورت محسوس کرتے تھے، اور دعوت کا کام کرنے کے بعد آپ رائے پور خانقاہ میں تشریف لے جاتے تھے، آپ کا بیان ہے:

مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو ہمیشہ اہل خیر اور ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چندروز کے لیے ''سہارنپور'' یا ''رائے پور'' کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا۔ (ملفوظات)

آپؒ کے ملفوظات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دعوت وتبلیغ کا کام مدارس اور خانقاہوں کو آباد کرنے اور ان کو بھرنے کے لیے کیا تھا، نہ ان کے بدلے میں، حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: میں نے خود مولانا الیاس صاحبؒ سے ان کا مقولہ سنا ہے، فرمایا کہ بھائی! یہ سلسلہ (دعوت وتبلیغ) میں نے اس لیے جاری کیا ہے کہ مدرسوں کو طالب علم ملیں، اور مشائخ کو مرید ملیں۔ (جواہر حکمت ۱۲۲)

اور فرمایا کہ یہ کام (یعنی دعوت وتبلیغ کا کام صحیح طریقہ سے) اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گُنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گُنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں، بلکہ ہر مسلمان مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے۔ (ملفوظات)

بلکہ آپ کام میں لگنے والے احباب کو خانقاہ میں جانے اور اس کے معمولات کو پورا

کرنے کی ترغیب دیتے تھے، اور اس کی نگرانی رکھتے تھے، چناں چہ آپؒ تبلیغی کام کرنے والوں کو ہدایات کرتے ہوئے ایک خاص خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جو (دعوت کے ساتھی کسی شیخ سے) بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو ذکر بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں؟ جن کو بارہ تسبیحات بتائی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں؟ جو ذکر بارہ تسبیح کررہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائے پور جا کر (حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی خدمت اور ان کی خانقاہ میں) گذاریں۔

(کارکنانِ تبلیغ کے لیے مولانا الیاس صاحبؒ کی مفید باتیں)

اس سے بھی آگے بڑھ کر جب کسی علاقے میں تبلیغی کام کے جم جانے کے متعلق تسلی ہوجاتی تو وہاں خانقاہ قائم کرنے کی فرمائش کرتے تھے، میواتی حضرات سے جو بڑی حد تک تبلیغی کام سے مانوس اور پرانے ہوچکے تھے ان سے فرمایا کہ: تم اپنے ملک کے اندر سو مکتبوں کے درمیان ایک عربی مکتب اور خانقاہ کا ارادہ فرماؤ۔ چوبیس گھنٹہ وہ کام جو خانقاہوں اور مدارس میں ہوتا ہے، کرنا ہے اور اسی میں کچھ وقت لوگوں میں دعوت دینے میں۔ (ایضا۱۰۵)

آپ کے ارشادات میں یہ بھی ہے کہ: میوات کے اندر تین چیزیں اہم ہیں مدارس، خانقاہیں، غیر مسلم میں اسلام پیش کرنا۔ (تبلیغی چھ نمبروں کی اہمیت وضرورت)

حضرت مولانا زید ندوی اپنی کتاب میں مولانا الیاس صاحبؒ کے ملفوظات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا) بزرگوں کی صحبت بڑی چیز ہے، اولیاء اللہ کی نظر دوا ہے، کلام شفاء ہے، اور صحبت سراپا نور ہے۔ (اور فرمایا) علم، عمل، صحبت، تینوں کے بغیر دین

حاصل نہیں ہوسکتا۔(اور فرمایا) اہل اللہ کی محبت اوران کی صحبت سے، ان کی خدمت کرنے سے آنکھ ہوگی جو یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (ایمان بالغیب) کو بڑھائے گی، جونفسانی اغراض سے پاک ہوگی۔(ارشادات ومکتوبات ص:۹۹-۱۰۰-۱۰۲)

عارف باللہ حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: دوستو! تبلیغی جماعت میں نکلنے سے یامدرسے میں پڑھنے سے بھی ایک قسم کی صحبت مل جاتی ہے لیکن پھر بھی شیخ کامل کی ضرورت رہتی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے لکھا ہے کہ چاہے تبلیغی جماعت میں لاکھوں چلّے لگالو مگر جب تک صحبت شیخ نصیب نہیں ہوگی تقویٰ اوراللہ سے خاص تعلق نہیں ملے گا۔(اسلامی مملکت کی قدر وقیمت ۱۱) اورایک مقام پراسی بات کونقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ فرماتے تھے کہ تبلیغی جماعت میں لاکھوں چلّے لگالو، لیکن اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کسی شیخ کامل سے تعلق نہیں ہوگا، جب تک کسی شیخ کامل کے ساتھ نہیں رہوگے۔(علم اورعلماء کرام کی عظمت ۵۲)

باب سوم: ضروری ہدایات

صحبت کے لائق کون؟

جس میں یہ باتیں موجود ہوں اس کی صحبت اختیار کرنی چاہئے، یہ باتیں حضرت تھانویؒ کی قصد السبیل اور دوسرے ملفوظات سے ماخوذ ہیں۔

(۱) ضرورت کے موافق دین کا علم اس کو ہو۔ (۲) عقیدے اور عمل اور عادتیں اس کی شرع کے موافق ہوں۔ (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کامل ہونے کا دعوی نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کی ایک شاخ ہے۔ (۴) کسی کامل پیر کی صحبت میں رہا ہو۔ (۵) اس کے زمانے کے علماء اور صوفیاء اس کو اچھا جانتے ہوں۔ (۶) اس کے معتقدین میں سمجھدار اور دیندار لوگوں کی تعداد عوام کے مقابلہ میں زیادہ ہو۔ (۷) اس کو اپنے مریدین کی اصلاح کی فکر ہو، اور بری بات پر روک ٹوک کرتا ہو۔ (۸) اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں زیادتی معلوم ہوتی ہو۔ (۹) خود بھی ذکر و شغل کرتا ہو۔ (۱۰) سنتوں کا پابند ہو۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ہمارے لیے بہترین ہم نشیں کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من ذكركُمْ الله رُؤْيَتُه وَزَاد فِي علمكُم مَنْطِقُه وذكركم بِالآخِرَة عملُه.

(الترغيب والترهيب للمنذري)

''وہ شخص جس کا دیدار تمہیں اللہ کی یاد دلائے، جس کا کلام تمہارے اعمال میں ترقی کا سبب ہو، اور جس کے اعمال آخرت کا دھیان پیدا کر دیں''۔

توحید مطلب

اگر کسی شیخ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لیا ہے تو پھر ان پر سے نظر نہیں ہٹانی چاہئے، اور

ایک ہی چوکھٹ سے خود وابستہ رکھنا چاہئے، اس کو توحید مطلب کہتے ہیں، حضرت شیخ نے ''اکابر کا سلوک واحسان'' میں لکھا ہے کہ ''توحید مطلب'' کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنے شیخ کے متعلق یہ یقین رکھے کہ دنیا میں اس کے علاوہ مجھ کو مطلوب تک کوئی نہیں پہنچا سکتا، حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہرجائی ہمیشہ خراب ہوتا ہے، اور پیروں کی نظر سے گرجاتا ہے، اور ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔

توحید مطلب میں کمی انتشار اور محرومی کا سبب ہے، جو دل میں یہ خیال رکھتا ہے کہ یہی ایک دروازہ تھوڑا ہی ہے، اگر یہاں سے فائدہ نہیں ہوا تو کہیں اور جائیں گے، اگر یہاں دل نہیں لگا تو دوسری جگہ تلاش کریں گے، اگر یہاں طبیعت کے خلاف ہوا تو کسی اور جگہ مقصود مل جائے گا، یہ خیال سنگ گراں بن کر ترقی کی راہ میں حائل ہوجاتا ہے، یہ بہت بڑی رکاوٹ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے، شیطان طرح طرح کے وساوس ڈال کر موجودہ نعمت سے بیزار کرتا ہے، اور غیر موجود چیز کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے، اس کے مکر سے خبردار رہنا ضروری ہے۔

کامل سپردگی

توحید مطلب کے ساتھ کامل سپردگی بھی ضروری ہے، یعنی خود کو شیخ کے سامنے فنا کردے، اور اپنی ذات کو مٹادے، اپنی استعداد وصلاحیت پر اور اپنی رائے اور فہم پر بالکل نظر نہ کریں، یہ فیض پانے کے لیے شرط ہے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ مرید کو چاہئے کہ شیخ کے سامنے اپنے کو مردہ بدست زندہ سمجھے کہ یہی حالتِ فنا شرطِ فیض ہے۔ (انفاس عیسی)

اور فرمایا کہ آج کل لوگ بزرگوں کی صحبت میں تو رہتے ہیں، مگر جیسی عقیدت ان بزرگوں سے ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتی، اسی لیے شیخ کے علوم ان کو عطا نہیں ہوتے۔ عقیدت تو یہ ہے کہ بزرگوں کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو فنا کردے اور ایسی فنا کے تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ

اوّل اوّل بہ تکلف اپنی رائے کو شیخ کی رائے کے مقابلہ میں فنا کرے، یعنی ہیچ سمجھے، پھر چند روز بعد یہ تکلف حال بن جائے گا۔ (انفاس عیسی)

فرمایا: کمال تو اسی طرح حاصل ہوگا کہ کاملین کے سامنے اپنے کو پامال کردو، یعنی اپنی فکر ورائے کو فنا کردو۔ اوراس کے لیے تیار ہو کہ شیخ میری ذات میں جو کچھ بھی تصرف کرے گا میں اس کو خوشی سے برداشت کروں گا اوراس کو اپنی فلاح وصلاح سمجھوں گا۔ (انفاس عیسی)

حضرت حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا کہ: آج ہماری محرومی کا سبب یہ ہے کہ ہم اللہ والوں سے ڈھیلا ڈھالا تعلق رکھتے ہیں، جب کہ سلف کے لوگ قلب کی گہرائیوں سے اور خلوصِ دل سے اہل اللہ سے محبت رکھتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ ان پر نوازش فرماتا تھا، جو اللہ کے لیے اللہ والوں کے پیچھے پیچھے پھرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو رحم آتا ہے کہ یہ ہمارے لیے ہمارے بندے کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمادیتے ہیں۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت ۱۵۳)

''اکابر کا سلوک واحسان'' کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ جن افراد کی تربیت میں شیخ کو مکمل آزادی ہو، ان پر نکیر کرنے اور ڈانٹنے میں شیخ کو تردد نہ ہو وہ حضرات تربیت سے صحیح اور کامل نفع اٹھاتے ہیں، حضرت تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: مرید ایسے شخص کو کرے کہ پیر کم از کم اس کو نالائق گدھا احمق تو کہہ سکے۔ (ملفوظات حکیم الامت ۳/۳۶)

شیخ کی تنبیہ کو برداشت نہ کرنا: شیخ کی تنبیہ پر برا ماننا، یا یہ توقع کرنا کہ شیخ میرے ساتھ عزت واکرام کا معاملہ کریں، بہت بڑا مانع ہے۔

شیخ سے استفادہ بیان پر موقوف نہیں

عام طور پر ہماری دلچسپی کا محور شاندار تقریر اور بڑا مجمع رہ گیا ہے، اگر کسی جگہ یہ چیزیں ہوتی ہیں تو ہم اس کے گرویدہ ہوجاتے ہیں، اس کی طرف دوڑتے ہیں، لیکن اگر کہیں ظاہری کشش

کے بغیر دردِ دل بانٹا جارہا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میراث تقسیم ہورہی ہو، اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کی باتیں ہورہی ہوں تو ہم اس کی طرف کوئی رغبت نہیں کرتے، حضرت حکیم اختر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: بعض لوگ اہل اللہ یا اہل اللہ کے غلاموں کی صحبت کے لیے بیان کو ضروری سمجھتے ہیں، پوچھتے ہیں کہ بیان ہوگا یا نہیں؟ آہ نکل جاتی ہے کہ کیا ملاقات اور صحبت کے لیے بیان لازم ہے؟ کہیں صحبت کے معنی دکھلا دو کہ صحبت کے لیے بیان لازم ہے، اگر ایک شخص حالت ایمان میں نبی کو دیکھ لے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کچھ نہ بولیں تو صحابی ہوا یا نہیں؟ تو صحبت کے لیے بولنا ضروری نہیں، خاموشی سے بھی فائدہ ہوتا ہے، لیکن یہ پوچھنا کہ آج بیان ہوگا یا نہیں؟ معلوم ہوا لذتِ دیدار و لذتِ ملاقات سے یہ ظالم نا آشنا ہے۔ بولو بھائی! کیا خالی ملاقات نعمت نہیں؟ آپ بتلایئے! یہ عاشقِ بیان ہے یا عاشقِ تقریر ہے؟ یہ ظالم عاشق مقرر ہوتا تو یہ نہ پوچھتا، بلکہ کہتا کہ بھئی ملاقات ہوجائے گی یا نہیں؟ بس ملاقات ہوجائے یہی کافی ہے۔

(نگاہ نبوت میں محبت کا مقام)

قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں اپنے اخلاق اور اپنا علم صحیح کرنا ہو تو جو نیک اور صالح لوگ ہیں ان کے پاس بیٹھنا چاہئے، چاہے کچھ بولیں یا نہ بولیں، لیکن پاس بیٹھنے سے ہی ایک اچھا اثر پیدا ہوتا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلامؒ ۳/۷۷)

بدظنی سے پرہیز کریں

جب کوئی بندہ اللہ والوں کی چوکھٹ پر پہنچ جاتا ہے، اور کامیابی کی راہ پر منزل مقصود کا سفر شروع کرتا ہے، تو شیطان اس کی راہ مارنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس پر طرح طرح سے حملے کرکے کسی نہ کسی طرح اس کو اس راستے سے بھٹکا دیتا ہے، اس کے حملوں میں سے ایک اپنے شیخ اور اہل اللہ سے بدظنی پیدا کرنا ہے، شیطان اہل اللہ کے متعلق وساوس ڈالنا شروع کرتا ہے،

اور اہل اللہ کی عادتوں اور ان کے بعض افعال کو عیب دار بنا کر ظاہر کرتا ہے، اور شیطان کی چال نہ سمجھنے والا انسان اس کی جال میں پھنس کر اللہ والوں کی برکات سے محروم ہوجاتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ذہن میں خاکہ بنا کر جاتا ہے کہ اللہ والے ایسے ہوں گے، ویسے ہوں گے، آخرت کے سوا کوئی بات نہیں کریں گے، دنیا کی عام ضروریات سے پاک ہوں گے، اور ان کی ہر شان نرالی ہوگی، لیکن جب ان کے پاس جا کر ان کے ذہنی خاکے کے مطابق نہیں پاتے تو وہ ناامید ہوجاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہم تو ہمارے ہی جیسے ایک انسان کے پاس آ گئے۔

ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان کا اللہ کے ساتھ کیسا تعلق ہے، کیا وہ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں؟ کیا وہ نماز ہماری طرح پڑھتے ہیں، کیا وہ تکبر، حسد وغیرہ بیماریوں میں مبتلا ہیں؟ نہیں تو بس ہمارے لیے یہی کافی ہے، بشری کمزوریاں اور انسانی ضرورتیں ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہیں، اس لیے اپنا اعتقاد اور محبت باقی رکھنے کے لیے ہمیں صرف ان کا اللہ کے ساتھ کیسا تعلق ہے اسی پر نظر رکھنی چاہیے۔ اور اللہ کے ساتھ اچھا تعلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرتے ہو، اور شریعت کے مکمل پابند ہوں۔

عام استفادہ

بیعت اور اصلاح کا تعلق قائم کئے بغیر بھی اہل اللہ کی صحبت سے استفادہ کر سکتے ہیں، اور ان کے فیوض و برکات حاصل کر سکتے ہیں، اس صورت میں ایک سے زائد اللہ والوں سے تعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ تمام اہل اللہ کی خدمت وصحبت سے ان کے فیوض و برکات حاصل کر سکتے ہیں۔

باقاعدہ صحبت میں رہ کر شیخ کی نگرانی میں اپنی اصلاح کروانے کے لیے اکابر نے معتد بہ وقت فارغ کرنے کو ضروری کہا ہے، لیکن اگر ہمارے لیے ابھی ایسی کوئی شکل ممکن نہ ہو کہ ہم وقت

فارغ کرکے اور تمام مصروفیتوں کو ترک کرکے کسی اللہ والے کے پاس جا پڑیں تو کم از کم اتنی فکر ضرور کرنی چاہئے کہ اپنے مقام پر رہ کر کوئی وقت اللہ والوں کی صحبت کے لیے بھی فارغ کریں، اور اگر قرب و جوار میں ایسی کوئی مجلس لگتی ہو تو اس میں ضرور شرکت کی کوشش کریں۔

اور اگر قرب و جوار میں بھی ایسی کوئی مجلس نہیں ہے جس سے ہم بزرگوں کا فیض حاصل کرسکیں تو خود ہمیں یہ فکر کرنی چاہئے کہ ایسی کوئی مجلس شروع ہو جائے، جس سے ہم استفادہ کرسکیں، پہلے اپنے متعلقین میں طلب پیدا کریں، پھر سب مل کر کسی اللہ والے سے تھوڑا وقت فارغ کرنے کی سرخواست کریں کہ ہم آپ کی صحبت سے کچھ دیر استفادہ کیا کریں گے، اس میں نہ تعداد مطلوب ہو، اور نہ بیان، بلکہ وہ اللہ والا جو بھی اپنے دل سے کہیں، اور کسی موضوع کے انتخاب کے بغیر جو بے ربط کلام ہو، اسی کو اپنے دل میں بٹھائیں، کیوں کہ موضوع کا انتخاب کئے بغیر وہ اپنے دل کا آئینہ دکھائے گا، جو زیادہ مؤثر ہے بہ تکلف ایک موضوع پر بات کرنے سے۔

بچپن سے اہتمام

اپنی اولاد کو بھی اہل اللہ کی صحبت میں لے جانے کی عادت رکھیں، سلف صالحین میں یہ بات نظر آتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بزرگوں کی خدمت میں لے جاتے تھے، اللہ والوں سے دعائیں لیتے تھے، اور ان کی مجلسوں سے مانوس کرتے تھے، اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ بچپن ہی سے نیک مجلسوں کا اثر دلوں میں اتر تا تھا، اور دل نیک بندوں کے رنگ میں رنگنے لگتا تھا، اور بچپن میں دل پر جیسا لکھا جاتا ہے وہ پوری زندگی باقی رہتا ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: یہ چیز (اولیاء اللہ کی صحبت) اگر بچپن ہی سے میسر ہو جاوے تو اور زیادہ عجیب ہے، پھر وہ چاشنی ساری عمر رہے گی، مولانا فتح محمد صاحبؒ میرے استاد تھے ان کی صحبت بچپن میں مل گئی اس نے سب کام بنا دیا، الحمدللہ دل میں اسی وقت ہی کی تربیت اور تعلیم کا اثر ہے، مولانا فتح محمد

صاحب دیکھنے میں تو بہت سادہ تھے کسی کمال باطنی کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا مگر دل اللہ کی محبت سے، خشیت سے لبریز تھا۔ (ملفوظات ۲۳۱/۵)

ایک وعظ میں فرمایا کہ ابتداء ہی میں اپنی اولاد کو کسی بزرگ کی صحبت میں وقتاً فوقتاً رکھا جائے، اور خود بھی رہے، اس کی صحبت میں خدا نے اصلاح کا اثر رکھا ہے۔ (دعوات عبدیت ۳۴/۱۱)

کیا اچھا ہوتا کہ ہم اپنی اولاد کی نیک تمناؤں کے ساتھ، ان کی تمام ضروریات پوری کرنے کی فکروں کے ساتھ، ان کے مستقبل کو تابناک بنانے کی سعی کے ساتھ ایک کوشش اور ایک فکر کو شامل کر لیتے، کہ ان کو اللہ والوں سے مانوس کرتے، ان کی عظمت ان کے دلوں میں بٹھاتے، ان سے زندگی بھر چمٹے رہنے کا سبق بچپن سے ہی سکھاتے، ان کی دعاؤں میں اپنی اولاد کو شامل کروالیتے، یہی بڑی کامیابی ہے، یہی بہترین مستقبل کا آغاز ہے، اسی میں خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے۔

اس ضرورت کا احساس پیدا کرلیں

آج اسلامی معاشروں میں اصلاح نفس اور تزکیہ کی طرف توجہ دینا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، یہ ایسی ضروت ہے جس سے غفلت کرنا، یا اس میں تاخیر کرنا اجتماعی اور انفرادی زندگی میں بہت سے منفی اثرات اور برے نتائج کا سبب ہے، اب تک کی غفلت کے نتائج بد بھی معمولی غور وفکر سے معلوم ہو سکتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ جب اخلاص نہیں ہوگا تو دینی خدمات میں نفس کا کھیل جاری رہے گا، اور دنیا و آخرت کی رسوائی کا سامنا ہوگا، حب مال سے حرام میں ملوث ہونے کا خطرہ رہے گا، حب جاہ سے اختلافات کی آگ بھڑکے گی، حب جاہ اور حب مال، منصب وشہرت کی حرص نے دیمک کی طرح انجمنوں، اور شاندار تحریکوں کو کھوکھلا کر کے دکھ دیا، بہترین منصوبے بنتے ہیں لیکن انجام کو نہیں پہنچ پاتے، عمدہ تجاویز سامنے آتی ہیں لیکن عمل بالکل

اس کے خلاف ہوتا ہے، سچ پوچھئے تو سارا فساد ایک نفس پرستی کا نتیجہ ہے، مولانا عبدالباری ندویؒ نے ''تجدید تصوف وسلوک'' میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ انفرادی، اجتماعی، دینی اور دنیوی، ملی اور سیاسی تمام کامیابیاں تصوف میں یعنی کہ اپنے نفس کی اصلاح میں ہے، اور اس کے بغیر کسی طرح کی کامیابی مشکل ہے، اس لیے سب سے پہلے نفس کی اصلاح کرنا ضروری ہے، اور نفس کی اصلاح کے لیے اہل اللہ کی صحبت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، گذشتہ مضامین سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوگیا، اب ضرورت اس بات کی ہے اس کو عملی جامہ پہنایا جائے، اس کو کتابوں سے نکال کر ایک زندہ حقیقت بنایا جائے، اس سے غفلت کرنا، یا نظرانداز کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اور اس کے ساتھ غفلت کا رویہ ٹھیک نہیں ہے، حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

یہ عام خیال ہے کہ نیک صحبت نافع ہوتی ہے لیکن اس کا ضروری ہونا سو عقیدہ کے درجہ میں بھی اس سے غفلت ہے، اور عمل کے اعتبار سے بھی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام لوگ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دنیا کی فلاح (وکامیابی) کی کوشش کرتے ہیں، ان میں جو دین کا مذاق (و مزاج) غالب رکھتے ہیں (اور دین کی فکر کرتے ہیں) وہ دین کے لیے مولوی بناتے ہیں، جو دنیا دار ہیں وہ معاش کے لیے تیار کرتے ہیں، غرض ایک نے دین کی فلاح کی کوشش کی اور ایک نے دنیا کی فلاح کی کوشش کی لیکن اس فہرستِ مساعی (یعنی اپنی محنتوں اور کوششوں کی فہرست) میں کہیں یہ فکر نہیں جس کا نام نیک صحبت ہے، (یعنی اپنی دنیاوی اور دینی کوششوں اور فکروں میں کہیں نیک صحبت کا نام ونشان نہیں) یعنی مستقل طور پر اس کا اہتمام کسی نے بھی نہیں کیا، جیسے اور کاموں کو ضروری سمجھتے ہیں اس کو کسی نے ضروری نے نہیں سمجھا، مثلاً ہفتہ بھر میں ایک دن، یا مہینہ بھر میں ایک دن، یا سال بھر میں ایک مہینہ کسی نے اس لیے دیا ہو کہ اس میں صحبت نیک سے مستفید ہوں (اس طرح کی ترتیب کوئی نہیں بناتا) تو ہمارا یہ عمل اس کی شہادت دے رہا ہے

کہ ہم نے اس کو کسی درجہ میں بھی ضروری نہیں سمجھا، دیکھئے سارے کاموں کے لیے وقت مقرر ہیں، کھانے کے لیے، آرام کے لیے بھی، سیر کے لیے بھی، مگر صحبت نیک کے ذریعہ سے محض تہذیب اخلاق کے لیے بھی کسی نے وقت مقرر کیا ہے؟ اس کے جواب میں محض صفر ہے۔

(خطبات حکیم الامت ۲۱/ ۴۳۳)

حضرت شیخ زکریاؒ کا خواب

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے کون شخص ناواقف ہوگا، اکابر علماء کرام اور عوام میں اللہ نے ان کو جو مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، آپؒ خود اپنا ایک خواب بیان کیا ہے، اس میں میں ہمارے لیے سبق ہے، حضرت فرماتے ہیں:

سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجھے زیارت ہوئی، اور حضرت مفتی رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ زکریا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہو رہا ہے، لیکن میرا جی چاہے کہ کچھ اور اس سے کام لیا جائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اس کو یہاں آنے کا اشتیاق تو بہت ہے، مگر میرا بھی جی یوں چاہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے، اس خواب کے بعد میں بہت حیرت میں پڑ گیا کہ میں کسی کام کا نہیں، ساری عمر یوں ہی ضائع کی، اب کیا کام کرلوں گا، اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق میں کیا کروں؟ مگر کچھ دنوں بعد چچا جان کا واقعہ یاد آیا، وہ یہ کہ:

''جب چچا جان (حضرت مولانا الیاس صاحبؒ بانی تبلیغ) مدینہ منورہ میں آئے تو ان کا ارادہ یہاں ٹھہر جانے کا ہوا، روضۂ اقدس سے ارشاد ہوا کہ ہندوستان جاؤ، تم سے کام لینا ہے، چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دنوں تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا، لکھنا مجھے نہیں آتا، میں ضعیف کیا کام کروں گا؟ کچھ دنوں بعد حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے بڑے بھائی مولانا سید احمد

صاحب مہاجر مدنیؒ نے جب انہیں پریشان دیکھا تو کہا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، یہ تو نہیں کہا کہ تم کام کرو،، بلکہ تم سے کام لیا جائے گا، لینے والا خود لے لے گا، اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا، ہندوستان آکر تبلیغی کام شروع کیا، اور ماشاء اللہ خوب چلا۔‘‘

میں (حضرت شیخ زکریاؒ) نے بھی سوچا کہ یوں نہیں کہا گیا کہ تو کر، بلکہ یوں فرمایا گیا ہے کہ کام لیا جائے گا، میں سوچتا ہی رہا، کچھ دنوں کے بعد خیال ہوا کہ ذکر و شغل کی لائن ٹوٹ گئی ہے، ہندوستان پاکستان کی اکثر خانقاہیں غیر آباد ہوگئی ہیں، اس واسطے حضرت گنگوہیؒ کی بھی یہی منشاء ہوگی، ذکر و شغل ان کی خانقاہ کا اہم مشغلہ تھا، جب آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے تو تعلیم کی جگہ بھی ذکر و شغل نے لے لی، اس لیے مجھے ذکر کا اہتمام ہو گیا، اور اس بناء پر اپنے معمولات اور معذوری کے باوجود لندن یا پاکستان اور اب افریقہ جہاں جہاں بھی خانقاہ قائم کرنے کا وعدہ ہو جس حال میں بھی ہوں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں، اللہ کرے یہ کام اللہ کے فضل سے کچھ چل نکلے، اور یہی مراد حضرت کی بھی ہو تو کچھ سرخروئی ہو جائے۔ (تزکیہ واحسان اور اکابر تبلیغ ۱۲۵)

آخری گذارش

ہم بھی اس ٹوٹی ہوئی لائن کو آباد کرنے کی فکریں اپنے اوپر سوار کرلیں، ہم اس کو اپنی زندگی کا بڑا مقصد بنا دیں، اپنے اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر پوری کوشش کریں، خود بھی اس کی پیاس پیدا کریں، ایسی پیاس جو ہماری پوری توجہ کھینچ لے، دوسروں کو بھی پیاسا بنائیں، پھر پیاس بجھانے کے اسباب مہیا کرنے کے لیے اپنی فکری و عملی کوششیں شروع کردیں، اہل وجاہت اپنے اثر و وجاہت سے کام لیں، اہل ثروت اپنی دولت لگائیں، طاقت والے اپنی عملی کوششوں کو، اور ذہنی صلاحیت والے اپنی فکری کوششوں کو کام میں لائیں، کمزور و بیمار حضرات اپنی دعاؤں سے مددگار بنیں، اور اس طرح ہم اس روحانی، ایمانی اور احسانی متاع بے بہاں کو عام

کریں، اور جام معرفت ومحبت کو گردش میں لاکر اس سے سیرابی حاصل کریں، اور ایمانی زندگی کا لطف اٹھائیں، جب طلب بڑھے گی تو ان شاء اللہ جنس نایاب ارزاں اور عام ہوگی، طلب میں بھی ایک کشش ہے، مولانا رومی فرماتے ہیں:

تشنگاں گر آب جویند از جہاں		آب ہم جوید بعالم تشنگاں

یعنی اگر پیاسے پانی کو تلاش کرتے ہیں، تو پانی بھی پیاسوں کی تلاش میں ہوتا ہے۔

چلتے چلتے حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ نظر نواز کرتا ہوں، فرمایا: کیسی ناانصافی کی بات ہے کہ جب دس برس علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کئے، تو کم از کم دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو، اور اس کا یہی طریق ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہو۔ (تجدید تصوف وسلوک ۳۸)

کتاب کا خلاصہ

دنیا وآخرت کی کامیابی مکمل اسلامی تابعداری پر موقوف ہے، اور اسلامی احکامات میں تزکیہ، تقویٰ، پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ صفات حاصل کرنا اور دل کی صفائی کرنا بھی شامل ہے، اس کے بغیر کامل فلاح کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اور یہ چیزیں حاصل کرنے کا عادۃً ایک ہی طریقہ ہے، جو آسان، مختصر اور قابل اعتماد ہے، اور وہ اہل اللہ کی صحبت ہے، اہل اللہ کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے تمام دینی کمالات، اور مطلوبہ صفات آسانی کے ساتھ پیدا ہوجاتے ہیں، اور ایمان واعمال کی اس حد تک رسائی حاصل ہوجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلوب ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ اللہ کا محبوب اور پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے، اور دین پر ملنے والے سارے وعدے اللہ کی طرف سے پورے ہوتے ہیں، دونوں جہاں کی کامیابیاں اس کا استقبال کرتی ہیں، وہ دنیا ہی میں حیات طیبہ کا لطف اٹھاتا ہے، اللہ کا تعلق مستقل ایک ایسی دائمی فرحت اور لذت ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے، رات کے آخری پہر میں لذت

مناجات سے وہ آشنا ہوجاتا ہے، اس کے ہوتے ہوئے دنیا کی بہت سی پریشانیاں ہیچ ہوجاتی ہیں، وہ بندوں سے بے نیاز اور بے خوف ہوجاتا ہے، اور اس کی ذات مخلوق خدا کے لیے سکون و راحت کا سبب بنتی ہے، اس کا وجود سراپا دعوت بن جاتا ہے، وہ اپنے کردار سے شریعت کی ترجمانی کرتا ہے، اور اس سے دین کا وقار بڑھتا ہے۔

یہ تو دنیوی زندگی کا نقشہ تھا، آخرت میں اس کو جو ملے گا اس کو تو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور کسی دماغ میں اس کا تصور کرنے کی طاقت ہے، نعمتوں کے باغات میں، شاندار محلات میں، بہتے چشموں میں، لہلہاتے باغات میں، عمدہ اور لذیذ مشروبات اور ماکولات میں، خوبصورت وفادار بیویوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے قیام نصیب ہوگا، اس سے پہلے موت، قبر، حشر اور حساب کتاب کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ آسان فرمادیں گے، اور سخت ترین حالات میں اللہ تعالیٰ اس کو بےفکر کردیں گے۔

مولائے کریم! آپ نے ہمیں اپنے فضل سے ایمان کی دولت سے نوازا ہے، اب اپنے فضل سے کمال ایمان کے سرچشموں تک پہنچادیں، ہم آپ کے محتاج بندے ہیں، اے مالک! ہمیں اپنی نظر کرم سے محروم نہ فرما۔ آمین۔

سعید احمد مجادری، قاسمی
۶/جمادی الاخری ۱۴۳۹ھ
۲۳/فروری ۲۰۱۸ء